سیدنا داؤد علیہ السلام کی مختصر سرگزشت

مولانا عبدالکریم اثری
(صاحب تفسیر عروۃ الوثقیٰ)

سیدنا داؤد علیہ السلام کے والد کا نام ایشا یا ایشی ہے۔ آپ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ تحریر کیا ہے کہ تیرہ واسطوں سے اسحاق علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ قرآن کریم نے سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل کی اپنے نبی سے کسی شخص کو سپہ سالار بنانے کی اپیل، نبی وقت کا طالوت کو سپہ سالار بنانے اور بنی اسرائیل کی اکثریت کا اس کی سپہ سالاری سے انکار کرنے کا بیان موجود ہے وہ لوگ جنہوں نے طالوت کی سپہ سالاری کو قبول کیا اور طالوت کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ کیا ان میں جالوت کے قتل کرنے والے آپ ہی تھے اور اس قتل جالوت میں بے نظیر شجاعت کے اظہار نے بنی اسرائیل کے قلوب پر داؤد علیہ السلام کی محبت و عظمت کا سکہ بٹھا دیا تھا اور ان کی شخصیت ممتاز اور نمایاں ہو چکی تھی چنانچہ یہی داؤد آگے چل کر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی و رسول اور بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے رسالت کے منصب کے لئے منتخب کر لئے گئے اور اس کے ساتھ قومی سردار یعنی بادشاہ بھی بن گئے جو اسلام کی نگاہ میں ان کے اجتماعی نظم و ضبط کے لئے ''خلیفہ'' مقرر ہوئے۔

قرآن کریم میں سیدنا داؤد علیہ السلام کا ذکر سورۃ البقرہ، النساء، المائدہ، الانعام، الاسراء، الانبیاء، النمل، سبا اور ص کل ۹ سورتوں میں آیا ہے اور زیادہ تر دونوں باپ بیٹے کا ذکر اکٹھا ہی کیا گیا ہے یعنی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا۔ نبوت و رسالت اور حکومت میں سے کونسی چیز آپ کو پہلے عطا ہوئی؟ غالباً حکومت آپ کو پہلے ملی کیونکہ طالوت کی موجودگی ہی میں آپ کو عنان حکومت مل گئی تھی اور اس کے جلو میں اللہ تعالیٰ کا یہ انعام بھی ہوا کہ آپ کو منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ کہا

جاتا ہے کہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں یہ سلسلہ قائم تھا کہ حکومت ایک سبط میں اور نبوت و رسالت دوسرے سبط سے چلی آ رہی تھی اور داؤد علیہ السلام پہلے نبی و رسول ہیں جن کو دونوں نعمتیں عطا کی گئیں۔
(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۱۰)

انبیاء و رسل میں سے آدم علیہ السلام کے بعد داؤد علیہ السلام پہلے نبی و رسول ہیں جن کے لئے قرآن کریم نے (خلیفۃ فی الارض) کا لفظ استعمال کیا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ (یٰداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض) (ص ۳۸:۲۶) ''اے داؤد! بلاشبہ ہم نے تم کو زمین میں ''خلیفہ'' بنایا ہے۔ اس میں کیا حکمت تھی؟ بنی اسرائیل میں صدیوں سے یہ رسم قائم چلی آتی تھی کہ حکومت ایک خاندان میں اور نبوت دوسرے میں رکھی گئی تھی چنانچہ اس رسم کے خلاف سیدنا داؤد علیہ السلام میں نبوت و رسالت کے ساتھ حکومت و سلطنت بھی جمع کر دی گئی اس لئے ضروری تھا کہ ان کو ایک ایسے لقب سے پکارا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفات علم و قدرت دونوں کا مظہر اتم ہونے میں صراحت کرتا ہو اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے شریعت اسلامی کی اصطلاح میں ''خلیفہ'' سے بہتر اور کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کی خدمت بھی انجام دیتے اور ان کی اجتماعی حیات کی نگرانی کا فرض بھی ادا فرماتے رہے۔

قرآن کریم، تورات اور اسرائیلی روایات اس کی شاہد ہیں کہ سیدنا داؤد علیہ السلام شجاعت و بسالت، اصابت رائے اور قوت فکر و تدبیر جیسے اوصاف کے پیش نظر کامل و مکمل انسان تھے اور فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی اور خدا کا فضل و کرم اس وجہ ان کے شامل حال تھا کہ دشمن کے مقابلہ میں ان کی جماعت کتنی ہی مختصر ہوتی کامیابی ہمیشہ ان کے ہاتھ رہتی اس لئے بہت تھوڑے عرصہ میں شام، عراق، فلسطین اور شرق اردن کے تمام علاقوں پر ان کا حکم نافذ اور ایلہ (خلیج عقبہ) سے لے کر فرات کے تمام علاقوں اور دمشق تک تمام ملک ان کے زیر نگین تھا اور اگر حجاز کے بھی ان حصوں کو شامل کر لیا جائے جو ان کے قلمرو حکومت کا حصہ بن چکے تھے تو یہ کہنا کسی طرح بے جا نہ ہوگا کہ حضرت داؤد کی مملکت و حکومت بلا شرکت ''سامی اقوام'' کی واحد سلطنت تھی، جو جدید فلسفہ تاریخ اقوام کے مطابق ''وحدت عرب'' یا اس سے بھی زیادہ وسیع وحدت اقوام سامیہ'' کی حکومت کہی جا سکتی ہے اور پھر کثرت لشکر اور وسعت حدود رقبہ مملکت کے ساتھ ساتھ ''وحی الٰہی'' کے شرف نے ان کی عظمت و شوکت اور صولت و ہیبت کو اور بھی زیادہ بلند کر دیا تھا اور رعایا کو یہ یقین حاصل تھا کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے کوئی ایسا معاملہ رکھ دیا جائے یا ایسی کوئی مہم پیش کر دی جائے جو انتہائی پیچیدہ ہو یا کذب و افتراء نے اس پر زیادہ سے زیادہ ملمع

کر دیا ہو "جب بھی" وحی الٰہی" کے ذریعہ ان پر حقیقت حال منکشف ہو جاتی ہے اس لئے جن وانس کسی کو بھی یہ حوصلہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کریں۔ چنانچہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ دو آدمی ایک بیل کا مناقشہ لے کر داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوئے۔ ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ میری ملک ہے اور دوسرا غاصب ہے۔ حضرت داؤد نے فیصلہ کا فیصلہ دوسرے دن پر مؤخر کر دیا۔ دوسرے دن انہوں نے مدعی سے فرمایا کہ رات میں اللہ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ تجھ کو قتل کر دیا جائے لہٰذا تو صحیح صحیح بات بیان کر۔ مدعی نے کہا: خدا کے سچے نبی اس مقدمہ میں تو میرا بیان قطعاً حق اور سچ ہے لیکن اس واقعہ سے قبل میں نے (مدعی علیہ) کے باپ کو دھوکا دے کر مار ڈالا تھا۔ یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو قصاص میں قتل کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔ (تاریخ ابن کثیر ص ۱۴)

اسی قسم کے واقعات ہوتے تھے جن کی وجہ سے حضرت داؤد کے حکم اور ان کی عظمت و شوکت کے سامنے سب پست اور فرمانبردار تھے۔ قرآن کریم کی آیت ذیل میں حضرت داؤد کی اسی عظمت مملکت اور موہبت حکمت و نبوت کا اظہار کیا گیا ہے۔

وشددنا ملکه واتینه الحکمة وفصل الخطاب (ص ۳۸:۲۰)

اور ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط کیا اور اس کو حکمت (نبوت) عطا کی اور صحیح فیصلہ کی قوت بخشی۔

اس آیت اور گزشتہ آیات میں "حکمت" سے کیا مراد ہے؟ یہ سوال ہے جو مفسرین کے یہاں زیر بحث ہے۔ ہمارے نزدیک اقوال سلف کا خلاصہ یہ ہے کہ اس جگہ حکمت سے دو باتیں مراد ہیں ایک نبوت اور دوسری عقل و دانش کا وہ مقام جس پر فائز ہو کر کوئی شخص راہ راست کی بجائے کبھی کج روی اختیار نہیں کر سکتا۔ بعض علماء نے حکمت سے زبور مراد لی ہے، اسی طرح "فصل خطاب" سے بھی دو امور کی جانب اشارہ ہے۔

(۱) وہ تقریر و خطابت کے فن میں کمال رکھتے تھے اور اس طرح بولتے تھے کہ لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ جدا جدا فہم و ادراک میں آتا تھا اور اس سے کلام میں فصاحت و لطافت اور شوکت بیان پیدا ہو جاتی تھی۔

(۲) ان کا حکم اور فیصلہ حق و باطل کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتا تھا۔

بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے "اصل اور اساس" تورات تھی لیکن حالات و واقعات اور زمانہ کے تغیرات کے پیش نظر حضرت داؤد کو بھی خدا کی جانب سے زبور عطا ہوئی جو تورات کے قوانین و

اصول کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی رشد و ہدایت کے لئے بھیجی گئی تھی، چنانچہ حضرت داؤد نے شریعت، خوشوئی کو از سر نو زندہ کیا، اسرائیلیوں کو راہ ہدایت دکھائی اور نور وحی سے مستفیض ہو کر تشنہ کامان معرفت الٰہی کو سیراب فرمایا۔

زبور خدا کی حمد کے نغموں سے معمور تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا لہجہ اور سحر آگیں لحن عطا فرمایا تھا کہ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو جن وانس حتی کہ وحوش و طیور تک وجد میں آجاتے۔ اسلئے آج تک "لحن داؤدی" ضرب المثل ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب ابوموسیٰ اشعری کے حسن صوت کو سنتے تو ارشاد فرماتے: "ابوموسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤد عطا فرمایا ہے"۔

لغت میں زبور کے معنی پارے اور ٹکڑے کے ہیں چونکہ یہ کتاب دراصل تورات کی تکمیل کے لئے نازل ہوئی تھی اسی لئے گویا اسی کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہے۔

زبور ایسے قصائد اور مسجع کلمات کا مجموعہ تھا جس میں خدا کی حمد و ثنا اور انسانی عبدیت و عجز کے اعتراف اور پند و نصائح اور بصائر و حکم کے مضامین تھے۔ مسند احمد میں ایک روایت منقول ہے کہ زبور کا نزول رمضان میں ہوا اور وہ مواعظ و حکم کا مجموعہ تھی۔ نیز بعض بشارات اور پیشین گوئیاں بھی منقول تھیں، چنانچہ بعض مفسرین نے یہ تصریح کی ہے کہ آیت مسطورہ ذیل میں زبور کے جس واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی بشارت سے متعلق ہے اور وحی اس کا مصداق ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۱۱، ۱۲)

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصلحون. (الانبیاء ۲۱:۱۰۵)

"اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ کہہ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے"۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ تورات، انجیل اور زبور کو خدا کی وحی فرمایا ہے اور منزل من اللہ بتایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے دیدہ و دانستہ خدا کی ان کتابوں کو بدل ڈالا اور جگہ جگہ اپنی مرضی کے مطابق ان میں تحریف کر دی حتی کہ اب ان کے حقائق پر اس قدر پردہ پڑ گیا ہے کہ اصل اور جعلی کے درمیان فرق کرنا سخت مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔

من الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه. (النساء ۴:۴۶)

بعض یہود وہ ہیں جو (تورات و انجیل و زبور) کے کلمات کو ان کی اصل حقیقت سے بدلتے اور پھیرتے

ہیں۔

چنانچہ تورات وانجیل کے علاوہ خود زبور اس کی زندہ شہادت موجود ہے موجودہ زبور میں ان مختلف حصوں کی تعداد جن کو اہل کتاب کی اصطلاح میں مزبور کہا جاتا ہے ایک سو پچاس ہے، ان حصوں پر جو نام درج ہیں وہ یہ ثابت کرتے ہیں، کہ یہ سب حصے حضرت داؤد کے "مزبور" نہیں کیونکہ بعض پر اگر حضرت داؤد کا نام ثبت ہے تو بعض پر مغنیوں کے استاذ قورح کا اور بعض پر شوشیم کے سروں پر آصف کا اور بعض پر گنیت کا اور بعض پر کسی کا نام نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بعض ایسے مزبور بھی ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام سے صدیوں بعد تصنیف کئے گئے ہیں۔ مثلاً یہ مزبور:

اے خدا اقومیں تیری میراث میں گھس آئی ہیں، انہوں نے تیری مقدس ہیکل کو ناپاک کیا ہے انہوں نے یروشلم کو کھنڈر بنا دیا ہے۔" (مزبور ۷۹)

اس مزبور میں اس ہولناک واقعہ کا تذکرہ ہے جو بخت نصر (بخت نصر) کے ہاتھوں بنی اسرائیل کو پیش آیا اور ظاہر ہے کہ وہ واقعہ داؤد علیہ السلام کے صدیوں بعد پیش آیا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی اور ان کے ذریعہ بنی اسرائیل کو رشد وہدایت کا پیغام سنایا۔

ولقد فضلنا بعض النبیین علیٰ بعض واتینا داؤد زبورا۔ (الاسراء ۱۷:۵۵)

اور بیشک ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور بخشی۔

واتینا داؤد زبورا۔ (نساء ۴:۱۶۳) اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

بخاری کتاب الانبیاء میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت داؤد پوری زبور کو اتنے مختصر وقت میں تلاوت کر لیا کرتے کہ جب وہ گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو تلاوت بھی شروع کرتے اور جب کس کر فارغ ہوتے تو زبور ختم کر چکے ہوتے۔

حضرت داؤد اور قرآن کریم وتورات:

اس مقام پر قرآن کریم اور تورات کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ قرآن کریم تو حضرت داؤد کو اگر صاحب شوکت وصولت بادشاہ مانتا ہے تو جلیل القدر پیغمبر اور رسول بھی تسلیم کرتا ہے لیکن تورات ان کو صرف "سنگ داؤد" (شاہ داؤد) ہی تسلیم کرتی ہے اور ان کی نبوت ورسالت کا اقرار نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ تورات کا انکار تحکم اور بے سروپا بات ہے اور کذب وافتراء پر مبنی ہے۔

خصائص داؤد:

اللہ تعالیٰ نے یوں تو سب ہی پیغمبروں کو خصوصی شرف وامتیاز بخشا ہے اور اپنے نبیوں اور رسولوں کو بے شمار انعام واکرام سے نوازا ہے، تاہم شرف وخصوصیت کے درجات کے اعتبار سے ان کے درمیان بھی فرق مراتب رکھا ہے اور یہی امتیازی درجات ومراتب ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔

تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض ۔ (البقرہ ۲:۲۵۳)

یہ رسول ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن کریم نے چند خصائص وامتیازات کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس رسول کو کس درجہ بزرگی اور عظمت عطا فرمائی ہے لیکن یہ واضح رہے کہ قرآن کریم کی بیان کردہ خصائص انبیاء ورسل میں خاصہ کے وہ منطقی معنی مراد نہیں ہیں کہ کسی دوسرے شخص میں قطعاً اس کا وجود نہ پایا جائے اور وہ وصف صرف اسی کے اندر محدود ہو بلکہ اس مقام پر خاصہ سے وہ وصف مراد ہے جو اس ذات میں تمام وکمال درجہ پر پایا جاتا ہے اور اس کے ذکر سے ذہن فوراً اس شخصیت کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اگرچہ بعض حالات میں اُس وصف خاص کا وجود دوسرے نبیوں میں بھی جلوہ گر نظر آتا ہے۔

تسخیر وتسبیح جبال وطیور:

حضرت داؤد علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس میں بہت زیادہ مصروف رہتے تھے اور اس قدر خوش الحان تھے کہ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہوتے تو ان کے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور وجد میں آجاتے اور آپ کے اردگرد جمع ہو کر حمد خدا کے ترانے گاتے اور سریلی اور پرکیف آوازوں سے تقدیس وتسبیح میں حضرت داؤد کی ہمنوائی کرتے اور صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خدا کی حمد میں گونج اٹھتے۔ چنانچہ داؤد (علیہ السلام) کی اس فضیلت کا قرآن کریم نے سورۂ انبیاء، سبا اور ص میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے:

وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر وکنا فعلین ۝ (الانبیاء ۲۱:۷۹)

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا ہے کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی ایسا کرنے کی قدرت ہے۔

ولقد اتینا داؤد منا فضلاً یا جبال اوبی معہٗ والطیر ۔ (سبا ۳۴:۱۰)

اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے (وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو۔

انا سخرنا الجبال معہٗ یسبحن بالعشی والاشراق ○ والطیر محشورۃ کل لہ اواب ○

(ص ۳۸: ۱۸، ۱۹)

بے شک ہم نے داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ اس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوتے اور سب مل کر حمد خدا کرتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے کہ چرند اور پرند اور پہاڑوں کی تسبیح زبان حال سے تھی گویا کائنات کی ہر شے کا وجود اور اس کی ترکیب بلکہ اس کی حقیقت کا ذرہ ذرہ خدا کی خالقیت کا شاہد ہے اور یہی اس کی تسبیح و تحمید ہے۔

سیب اگرچہ زبان قال نہیں رکھتا اور نطق سے محروم ہے لیکن اس کی خوشبو اور اس کی لطافت، اس کا حسن اور اس کی نزاکت جدا جدا پکار کر کہہ رہے ہیں۔ (فتبارک اللہ احسن الخالقین)۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے لیکن دوسرے محققین کی رائے یہ ہے کہ حیوانات، نباتات اور جمادات حقیقتاً تسبیح کرتے ہیں اور ان کی تسبیح صرف یہی نہیں ہے کہ ان کا وجود زبان حال سے صانع حکیم پر دلالت کرتا ہے اور یہی ان کی تسبیح ہے اس لئے کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ بصراحت یہ اعلان کیا ہے کہ:

تسبح لہ السموات السبع والارض ومن فیھن و ان من شیء الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ (الاسراء ۱۷ : ۴۴)

آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کا فہم و ادراک نہیں رکھتے۔"

اس آیت میں دو باتیں صاف صاف نظر آتی ہیں ایک یہ کہ کائنات کی ہر شے تسبیح کرتی ہے اور دوسری یہ کہ جن و انس ان کی تسبیح سمجھنے کا فہم و ادراک نہیں رکھتے اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور کائنات کی ہر شے حیوانات، نباتات اور جمادات کی جانب تسبیح فرمائی ہے تو یہ ضروری ہے کہ ان اشیاء میں تسبیح کا حقیقی وجود موجود ہو اور پھر دوسرے جملہ کو اسی پر اطلاق کیا جائے کہ جن و انس ان کی تسبیح کے فہم و ادراک سے قاصر ہیں اگر اس جگہ تسبیح کے حقیقی معنی نہ لئے جائیں بلکہ زبان حال سے تسبیح کرنا اس معنی کو

اختیار کیا جائے تو پھر قرآن کریم کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوگا (ولکن لا تفقھون تسبیحھم) (الاسراء ۱۷: ۴۴) "تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس لئے اگر ایک سطحی ذہن ان کو نہیں سمجھتا کہ کائنات کا ہر ذرہ خدائے واحد لاشریک لہ کی ہستی کا پتہ دے رہا ہے تو تمام اہل مذاہب خصوصاً ہر مسلمان تو بلاشبہ اس کو سمجھتا ہے اور وہ جب کبھی وجود باری پر کچھ سوچتا ہے تو اس کا یقین کر کے سوچتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ہستی کا اقرار کر رہا ہے اور ہر شے کا وجود ہی خود خالق کائنات کا پتہ دے رہا ہے۔

قرآن کریم نے اس آیت سے قبل مشرکین کا تذکرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو بتایا ہے کہ مشرکین اپنی نا سمجھی اور کج فہمی سے خدا کے ساتھ معبودان باطل کو شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے بعد قرآن کریم اس مسئلہ کے بطلان کو ان پر واضح کرتا اور طرح طرح سے سمجھاتا ہے تو ان پر اس کی نصیحت کا الٹا اثر پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے ان تمام باطل نسبتوں سے جو مشرکین اس کی جانب منسوب کرتے ہیں اس کے بعد قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ انسان ہی ہے جو اس قسم کی مشرکانہ گمراہی میں مبتلا ہو رہا ہے ورنہ ساتوں آسمان و زمین اور کائنات کی ہر شے خدا کی پاکیزگی کا بیان کرتی ہے مگر انسان ان کی اس تسبیح کے فہم و ادراک سے قاصر ہے بلاشبہ اللہ بردبار ہے اور بہت ہی پیار کرنے والا ہے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام شاہی اور شہنشاہی کے باوجود سلطنت و مملکت کے خزانہ سے ایک حبہ نہیں لیتے تھے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنے ہاتھ کی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اس کو ذریعہ معاش بناتے تھے۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام کے اس وصف کو حدیث صحیح میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکل احد طعاما قط خیر امن ان یاکل من عمل یدہ وان نبی اللہ داؤد علیہ السلام کان یاکل من عمل یدہ۔

(صحیح بخاری کتاب الانبیاء اور کتاب التجارۃ)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بلاشبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے رزق کماتے تھے۔"

قرآن کریم نے اس واقعہ کو سورہ الانبیاء اور سبا میں بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ:

وعلمنٰہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم فھل انتم شاکرون ○ (۲۱:۸۰)

"اور ہم نے اس (داؤد) کو سکھایا ایک قسم کا لباس بنانا تاکہ تم کو لڑائی کے موقعہ پر اس سے بچاؤ حاصل ہو

پس کیا تم شکر گزار بنتے ہو؟"۔

والنا له الحديد٥ ان اعمل سابغات وقدر فى السرد واعملوا صالحاً انى بما تعملون بصيرٌ ٥)(۳۴:۱۰،۱۱)

اور ہم نے اس (داؤد) کے لئے لوہے کو نرم کر دیا کہ وہ زرہیں بنائے کشادہ اور اندازہ سے کڑیاں جوڑ کر اور شاندار عمل کر کے تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو دیکھتا ہوں۔"

تورات اور "لوہے کے استعمال کے زمانے کی تاریخ" سے پتہ چلتا ہے کہ داؤد علیہ السلام سے پہلے لوہے کی صنعت نے اس حد تک تو ترقی کر لی تھی کہ فولاد پگھلا کر اس سے سپاٹ ٹکڑے بناتے اور ان کو جوڑ کر زرہیں بنایا کرتے تھے لیکن یہ زرہیں بھاری ہوتی تھیں اور چند قوی ہیکل انسانوں کے علاوہ عام طریقہ سے ان کا استعمال مشکل اور دشوار سمجھا جاتا تھا اور میدان جنگ میں سبک خرامی دشوار ہو جاتی تھی۔ داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی کہ انہوں نے تعلیم وحی کے ذریعہ ایسی زرہیں ایجاد کیں جو باریک اور نازک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں اور ہلکی اور نرم ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کا سپاہی اس کو پہن کر بآسانی نقل و حرکت بھی کر سکتا تھا اور دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے بھی بہت عمدہ ثابت ہوتی تھیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ ان آیات کے پیش نظر سیدنا داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے آج لوہے کی صنعت اور خصوصاً اوزار حرب میں مسلمانوں کو وہ مقام حاصل ہوتا کہ دوسری قوموں کے لوگ اس کے مرہون منت ہوتے اور ان پر رشک کرتے اور آلات حرب اور جدید قسم کے اسلحہ کا مرکز و محور مسلمان قرار پاتے لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں نے اس کو چھو کر بھی نہ دیکھا اور اس میں سب سے بڑا قصور ان لوگوں کا ثابت ہوتا ہے جنہوں نے لوہے کو موم کرنا سیدنا داؤد علیہ السلام کا معجزہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور قوم کو بتایا کہ اس سے لوہے کی صنعت و حرفت کا پیشہ مراد نہیں بلکہ اس سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس خام لوہے کو داؤد علیہ السلام ہاتھ لگاتے وہ موم کی طرح نرم ہو جاتا اور آپ کو اس معاملہ میں کوئی کلفت نہ ہوتی جس طرح آج کوئی شخص کسی رسی سے کوئی کام لیتا ہے اس سے بھی زیادہ سہل طریقہ سے آپ خام لوہے کو ہاتھ لگاتے تو خود بخود نرم ہو جاتا وہ لوہا نہ رہا بلکہ موم ہو جاتا یا اس سے بھی زیادہ نرم جو قرآن کریم کے مفہوم کے سراسر خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن قوموں نے اس لوہے سے کام لینا سیکھا اور قرآن کریم کی اس آیت سے راہنمائی لی آج وہ ترقی کر کے دنیا میں اپنا نام روشن کر گئیں اور مسلمان قوم ان کی بھکاری بن کر رہ گئی اب ان کا جی چاہتا ہے تو وہ ہاسی ٹکڑا ہمارے سامنے مشروط طریقہ

سے پھینک دیتے ہیں اور نہیں چاہتا تو ڈانٹ پلا کر واپس کر دیتے ہیں اور جو حال بھکاریوں کا ہے وہی ان اقوام کے سامنے آج ہمارا ہے اور کوئی شخص آج بھی یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں کہ ہماری یہ حالت کیوں ہوئی؟ اور کیسے ہم اپنی حالت کو درست کر سکتے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ان کی یہ کامیابی تو فقط دنیوی ہے اور ہم دین و دنیا دونوں میں کامیابی حاصل کر کے ان کے منہ میں مٹی ڈال کر دکھائیں گے اور غفلت کے سارے پردے چاک کر دیں گے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام اور دو اہم تفسیری مقامات:

سیدنا داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں دو اہم مقام ایسے ہیں جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے بھی اور مفسرین کے تفسیری مباحث کے لحاظ سے بھی اہم شمار ہوتے ہیں اور پہلا مقام اگرچہ اختلافی نہیں ہے مگر دوسرا مقام معرکۃ الآراء بن گیا ہے اور اہل علم کی موشگافیوں نے اس کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اصل حقیقت کو آشکارا کیا جائے اور باطل اوہام و مزعومات کو دلائل و براہین کی روشنی میں رد کیا جائے۔

مقام اول:

وداؤد وسليمن اذ يحكمان فى الحرث اذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين ٥ ففهمنا ها سليمن و كلا اتينا حكما وعلماً۔ (الانبیاء۲۱:۷۸،۷۹)

اور داؤد اور سلیمان (کا واقعہ) جب کہ وہ ایک کھیتی کے معاملہ کا فیصلہ کر رہے تھے جس کو ایک فریق کی بکریوں کے ریوڑ نے خراب کر ڈالا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت (اپنے علم محیط کے اعتبار سے) موجود تھے پھر ہم نے اس سے (بہترین) فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو عطا کی اور داؤد و سلیمان کو ہم نے علم و حکمت عطا کئے۔

اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کی خدمت میں دو شخص ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے، مدعی نے دعوے کی روداد یہ سنائی کہ مدعی علیہ کی بکریوں کے گلے نے اس کی تمام کھیتی تباہ و برباد کر ڈالی اور اس کو چر چگ کر روند ڈالا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے علم و حکمت کے پیش نظر یہ فیصلہ دیا کہ مدعی کی کھیتی کا نقصان چونکہ مدعی علیہ کے گلہ کی قیمت کے قریب قریب متوازن ہے لہٰذا یہ پورا گلہ مدعی کو تاوان میں دے دیا جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر ابھی گیارہ سال کی تھی وہ والد ماجد کے نزدیک ہی بیٹھے

ہوئے تھے، کہنے لگے اگرچہ آپ کا یہ فیصلہ صحیح ہے مگر اس سے بھی زیادہ مناسب شکل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا تمام ریوڑ مدعی کے سپرد کر دیا جائے کہ وہ اس کے دودھ اور اس کی اون سے فائدہ اٹھائے اور مدعی علیہ سے کہا جائے کہ وہ اس درمیان میں مدعی کے کھیت کی خدمت انجام دے اور جب کھیت کی پیداوار اپنی اصلی حالت پر واپس آجائے تو کھیت مدعی کے سپرد کر دے اور اپنا ریوڑ واپس لے لے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بیٹے کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا۔

قرآن کریم نے بھی اس طرح اشارہ کیا ہے کہ اس معاملہ میں سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ مناسب رہا اور اس واقعہ خاص میں فہم داؤد پر فہم سلیمان کو سبقت لے گئے۔ فقہی اصطلاح میں حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو قیاسی کہیں گے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو "استحسانی" مگر اس قسم کی جزئی فضیلت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بحیثیت مجموعی فضائل حضرت سلیمان (علیہ السلام) اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام پر فضیلت رکھتے تھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجموعہ فضائل کے اعتبار سے حضرت داؤد علیہ السلام کی جو منقبت فرمائی ہے وہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے حصہ میں نہیں آئی۔

مقام ثانی:

تورات اور "اسرائیلی روایات" کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی ذات قدسی صفات کی جانب ایسی مضحکہ خیز اور بیہودہ حکایات و قصص منسوب کرتی ہیں کہ جن کو پڑھ کر ان مقدس ہستیوں کے متعلق نبی یا رسول ہونے کا تو کیا یقین ہو سکتا ہے یہ بھی باور نہیں ہوتا کہ وہ با اخلاق بزرگ ہستیاں ہیں۔

بہتان طرازی کی مثال:

چنانچہ ان قصص و حکایات میں سے ایک خرافی روایت حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ تورات کے صحیفہ سموئیل میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ایک طویل داستان بیان کی گئی ہے جو مختصر الفاظ میں اس کی زبانی سننے کے قابل ہے:

"اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد علیہ السلام نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟ اور داؤد علیہ السلام نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی) پھر اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حامل ہو گئی۔

سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کی میں حاملہ ہوں۔ صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے۔ اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی کہ اوریاہ بھی مر گیا۔ تب یوآب نے آدمی بھیج کر جنگ کا سب حال داؤد کو بتایا۔ جب اوریاہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اوریاہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کے ایک لڑکا ہوا۔ پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا۔ (سموئیل ۲ باب ۱۱: ۲ تا ۲۷)

اس داستان میں حضرت داؤد علیہ السلام کا جو اخلاقی نقشہ پیش کیا گیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد ان کو نبی اور پیغمبر تو کیا ایک صحیح اخلاق کا انسان بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔ دوسرے کی بیوی پر نظر بد ڈالنا، اس سے ناجائز طور پر ملوث ہونا اور پھر سازش کر کے اس کے شوہر کو ناحق قتل کروا دینا انسانی زندگی کے وہ ناپاک اعمال ہیں جن کے لئے علم اخلاق کی زبان میں "بدکاری" سے کم کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ سبحنک هذا بهتان عظیم۔

تورات کا تضاد بیان:

لیکن اس سے قبل کہ ہم حضرت داؤد علیہ السلام کی معصوم ہستی پر لگائے ہوئے اس بہتان کی مدلل تردید کریں خود تورات ہی کی زبانی یہ سنانا چاہتے ہیں کہ دوسرے مقامات پر اس نے حضرت داؤد کی نسبت کیا کہا ہے اور ان کی پاک دامنی اور خدا ترسی کا کس انداز میں ذکر کیا ہے؟

تورات کا صحیفہ سموئیل میں ہے:

"تب ناتن (نبی) نے بادشاہ (داؤد) سے کہا۔ جا جو کچھ تیرے دل میں ہے کہہ کیونکہ خداوند تیرے ساتھ ہے۔"

"اور اسی رات کو ایسا ہوا کہ خداوند کا کلام ناتن کو پہنچا۔ جا اور میرے بندہ داؤد سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے..... سو اب تو میرے بندے داؤد سے کہہ کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے بھیڑ سالہ سے جہاں تو بھیڑ بکریوں کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا لیا تاکہ تو میری قوم اسرائیل کا پیشوا ہو....." (سموئیل ۲ باب ۷: ۳ تا ۷)

"اس نے میرے زور آور دشمن اور میرے عداوت رکھنے والوں سے مجھے چھڑا لیا کیونکہ وہ میرے لئے

نہایت زبردست تھے، وہ میری مصیبت کے دن مجھ پر آ پڑے پر خداوند میرا سہارا تھا۔ وہ مجھے کشادہ جگہ میں نکال لایا، اس نے مجھے چھڑایا اس لئے کہ وہ مجھ سے خوش تھا۔ خداوند نے میری راستی کے موافق مجھے جزا دی اور میرے ہاتھوں کی پاکیزگی کے مطابق مجھے بدلہ دیا کیونکہ میں خداوند کی راہوں پر چلتا رہا اور شرارت سے اپنے خداوند سے الگ نہ ہوا کیونکہ اس کے سارے فیصلے میرے سامنے تھے اور میں اس کے آئین سے برگشتہ نہ ہوا۔ میں اس کے حضور کامل بھی رہا اور اپنی بدکاری سے باز رہا اس لئے خداوند نے مجھے میری راستی کے موافق بلکہ میری اس پاکیزگی کے مطابق جو اس کی نظر کے سامنے تھی بدلہ دیا۔"

(سموئیل ۲ باب ۲۲: ۱۸ تا ۲۵)

داؤد بن یسی کہتا ہے یعنی یہ اس شخص کا کلام ہے جو سرفراز کیا گیا اور یعقوب کے خدا کا ممسوح اور اسرائیل کا شیریں نغمہ ساز ہے۔ خداوند کی روح نے میری معرفت کلام کیا اور اس کا سخن میری زبان پر تھا۔۔۔۔

(سموئیل ۲ باب ۲۳: ۱ تا ۲)

"سلیمان نے کہا تو نے اپنے خادم میرے باپ داؤد پر بڑا احسان کیا اس لئے کہ وہ تیرے حضور راستی اور صداقت اور تیرے ساتھ سیدھے دل سے چلتا رہا۔۔۔۔ سو اس (سلیمان) نے کہا خداوند اسرائیل کا خدا مبارک ہو جس نے اپنے منہ سے میرے باپ داؤد سے کلام کیا۔۔۔۔ اور داؤد کو چنا تاکہ وہ میری قوم اسرائیل پر حاکم ہو۔

اب اے خداوند اسرائیل کے خدا اپنے بندے میرے باپ داؤد کے ساتھ اس قول کو بھی پورا کر جو تو نے اس سے کیا تھا کہ تیرے پاس میرے حضور اسرائیل کے تخت پر بیٹھنے کے لئے آدمی کی کمی نہ ہوگی بشرطیکہ تیری اولاد جیسے تو میرے حضور چلتا ہے ویسے ہی میری شریعت پر عمل کرنے کے لئے اپنی راہ کی احتیاط رکھے۔۔۔۔ پھر بھی میں ساری سلطنت کو نہیں چھینوں گا بلکہ اپنے بندے داؤد کی خاطر اور یروشلم کی خاطر جسے میں نے چن لیا ہے ایک قبیلہ تیرے بیٹے کو دوں گا۔۔۔۔" (سلاطین ۱ باب ۱۱: ۱۳)

اور ایسا ہوگا کہ اگر تو ان سب باتوں کو جن کا میں تجھے حکم دوں سنے اور میری راہوں پر چلے اور جو کام میری نظر میں بھلا ہے اس کو کرے اور میرے آئین و احکام کو مانے جیسا میرے بندہ داؤد نے کیا تو میں تیرے ساتھ رہوں گا اور تیرے لئے ایک پائیدار گھر بناؤں گا جیسا میں نے داؤد کے لئے بنایا اور اسرائیل کو تجھے دوں گا۔ (سلاطین ۱ باب ۱۱: ۳۸)

یہ تمام عبارات بھی تورات ہی کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد خدا کے مختار اور پسندیدہ بندے تھے، بلاواسطہ اس سے ہمکلام ہونے کا شرف رکھتے تھے، خدائی شریعت کے کامل مطیع و فرمانبردار

تھے، راست باز، پاک دامن اور باعفت بزرگ تھے اور خدا کے دیئے ہوئے ملک میں بنی اسرائیل کے امیر اور خلیفۃ اللہ تھے، ہر وقت خدا کی حفاظت و حمایت ان کی کفیل تھی، گویا برگزیدہ "پیغمبر" اور صاحب اقتدار "حکمران" تھے۔ پس نہیں کہا جا سکتا کہ اہل کتاب تورات کے ان متضاد بیانات میں کس طرح تطبیق دیتے ہیں اور حضرت داؤد کی شخصیت ان کی نگاہ میں کیا وقعت رکھتی ہے؟ اگر داؤد "نبی" ہیں یا اخلاق حسنہ سے متصف "کنگ داؤد" ہیں تو حتی اوریاہ کی عورت سے متعلق داستان کا ان کے پاس کیا جواب ہے اور اگر اوریاہ کی بیوی کا واقعہ صحیح ہے تو اس مسطورہ بالا منقبت و مدحت کا استحقاق کس داؤد کو حاصل ہے۔

اس کے برعکس قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق تفصیل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول اور معصوم پیغمبر ہیں، خلیفۃ اللہ اور بنی اسرائیل کے امیر و حکمراں ہیں۔ وہ کہتا ہے:

ولقد فضلنا بعض النبیین علیٰ بعض و اٰتینا داؤد زبورا ۔ (الاسراء ۱۷: ۵۵)

اور بلاشبہ ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

ووھبنا لداؤد سلیمٰن نعم العبد انہ اواب ۔ (ص ۳۸: ۳۰)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان بخشا، وہ اچھا بندہ ہے بلاشبہ وہ خدا کی رحمت کی جانب رجوع ہونے والا ہے۔

ولقد اٰتینا داؤد منا فضلا ۔ (سبا ۳۴: ۱۰)

اور بلاشبہ ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی۔

وشددنا ملکہ و اٰتینٰہ الحکمۃ و فصل الخطاب ۔ (ص ۳۸: ۲۰)

اور ہم نے اس (داؤد) کو مضبوط ملک عطا کیا اور حکمت سے نوازا اور حق و باطل کے فیصلہ کی قوت عطا فرمائی۔

ولقد اٰتینا داؤد و سلیمٰن علماً وقال الحمد للہ الذی فضلنا علیٰ کثیر من عبادہ المؤمنین ۔ (النمل ۲۷: ۱۵)

اور بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو "علم" سے بہرہ ور کیا اور ان دونوں نے کہا "اس اللہ کے لئے ہر طرح کی حمد جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہم کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔

ان تمام آیات میں حسب عادت قرآن کریم نے کتب سابقہ کے ان خیالات کی تردید اور اصلاح فرمائی ہے جو ان کے پیرووں کی تحریف و تبدیل کی بدولت ان میں بطور معتقدات داخل ہو گئے

ہیں۔ اس نے تاریخ کے اس تاریک پردہ کو چاک کر کے بتایا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان نبی اسرائیل میں مقدس ہستیاں گزری ہیں وہ خدا کے سچے نبی اور پیغمبر ہیں اور ہر قسم کے گناہ اور نافرمانیوں سے مقدس اور پاک ہیں۔

مگر افسوس اور سد ہزار افسوس کہ قرآن کریم کے اس مقدس اعلان کے باوجود حتی اوریاہ کی بیوی کی اس خرافی داستان کو تورات اور اسرائیلیات سے لے کر بعض مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں نقل کر دیا اور اسرائیلی خرافات کو بلا دلیل وسند اسلامی روایات کی حیثیت دے دی۔

ان سادہ لوح بزرگوں نے یہ مطلق خیال نہیں فرمایا کہ جن خرافی داستانوں کو آج وہ اسرائیلی روایات کی حیثیت سے قرآن کریم کی تفسیر میں نقل کر رہے ہیں کل وہ آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح سمجھی جا کر امت مرحومہ کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بنیں گی اور ان کی گمراہی کا سبب ثابت ہوں گی اور حیرت در صد حیرت ہے بعض ان جدید و قدیم متکلمین پر جنہوں نے اس قسم کی ہذیانات کو سختی کے ساتھ رد کر دینے اور ان بہتان طرازیوں کو مردود قرار دینے کے بجائے ان روایات کے نیک محمل تلاش کر کے ان کو قابل قبول بنانے کی سعی نامشکور فرمائی ہے اور بے محل حسن ظن سے کام لے کر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ یہ تاویلات جو اس خرافی روایات کے بارہ میں کی جارہی ہیں، ریت کی دیوار اور تار عنکبوت ہیں اور کسی نہ کسی اسلوب کے ساتھ اس کو تسلیم کرنے سے "عصمت انبیاء" جیسے اہم اور بنیادی اسلامی عقیدہ پر ضرب کاری لگاتی ہیں اور یہ کہ انبیاء و رسل کی جانب اس قسم کے انتساب سے جبکہ قرآن کریم کا دامن پاک اور بے لوث ہے اور وہ اس قسم کی روایات کو بہتان عظیم سمجھتا ہے تو پھر کسی شخص کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس تفسیر میں اس قسم کی خرافات کا تذکرہ کرے۔

بہر حال ان مفسرین نے جن آیات کی تفسیر میں اس زہر ہلاہل کو ملایا ہے وہ سورۂ ص میں حضرت داؤد کے اس واقعہ سے متعلق ہے۔

وھل اتک نبأ الخصم اذ تسوروا المحراب ○ اذ دخلوا علیٰ داؤد ففزع منھم قالوا لا تخف خصمان بغی بعضنا علیٰ بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واھدنا الیٰ سواء الصراط ○ ان ھذا اخی لہ تسعٌ وتسعون نعجة ولی نعجة واحدة فقال اکفلنیھا وعزنی فی الخطاب ○ قال لقد ظلمک بسوال نعجتک الیٰ نعاجہ وان کثیراً من الخلطاء لیبغی بعضھم علیٰ بعض الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت وقلیل ما ھم وظن داؤد انما فتنہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب ○ فغفرنا لہ ذٰلک وان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن

مآب ○ یٰداؤد انا جعلنک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذابٌ شدید" بما نسوا یوم الحساب ○ (ص ۳۸: ۲۱ تا ۲۶)

اور کیا تجھ کو ان (جھگڑنے) والوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار کود کر عبادت خانہ میں گھس آئے داؤد کے پاس تو داؤد ان سے گھبرایا بولے گھبراؤ نہیں ہم دو جھگڑ رہے ہیں۔ زیادتی کی ہے ایک نے دوسرے پر سو ہمارے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ کر دے اور ٹالنے والی بات نہ کرنا اور ہم کو سیدھی راہ بتا یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے یہاں ایک دنبی ہے، پس یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی میرے حوالہ کر دے اور مجھ سے گفتگو میں بھی تیز ہے، داؤد نے کہا وہ اپنی دنبیوں میں تیری ایک دنبی کو ملانے کے لئے جو سوال کرتا ہے ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں لا یہ کہ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک اور ایسے بہت کم ہیں اور داؤد کے خیال میں گزرا کہ ہم نے اس کا امتحان لیا پس مغفرت چاہنے لگا وہ اپنے رب سے اور گر پڑا سجدہ کرا اور رجوع ہوا (خدا کے سامنے) پھر ہم نے اس کو وہ کام معاف کر دیا اور اس کے لئے ہمارے پاس (عزت کا) مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔ اے داؤد ہم نے تجھ کو ملک میں (اپنا) نائب مقرر کیا ہے سو تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کر اور نفس کی خواہش پر نہ چل کہ وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بھلا دے جو لوگ اللہ کی راہ کو بھلاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

آیات کی باطل تفسیر:

اس جگہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک امتحان کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو پیش آیا۔ حضرت داؤد نے اول اس کو نہیں سمجھا مگر یکایک دل میں یہ خیال آیا کہ یہ منجانب اللہ ایک آزمائش ہے لہٰذا فوراً ہی اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی طرح حق تعالیٰ کی جانب رجوع کیا، استغفار کیا اور درگاہ الٰہی میں ان کا استغفار قبول ہو کر ان کی عظمت شان اور تقرب الی اللہ کا باعث بنا۔

معاملہ صرف اسی قدر تھا لیکن بعض مفسرین نے جب یہ دیکھا کہ قرآن کریم نے اس آزمائش کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی اور تورات اور "اسرائیلی روایات" میں اوریاہ کی بیوی کی ایک داستان موجود ہے جس میں حضرت داؤد سے خدا کی ناراضی کا بھی ذکر ہے تو بلا تامل اس خرافات کو اس آیت کی تفسیر بنا کر آزمائش، استغفار اور قبول استغفار کو اس کے ساتھ چسپاں کر دیا۔

یہ دیکھ کر جلیل القدر مفسرین اور محققین سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے روشن دلائل و براہین

کے ساتھ یہ واضح کیا کہ اس خرافاتی روایت کا سورۂ ص کی ان آیات کی تفسیر سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہے اور نہ صرف یہ بلکہ یہ پوری داستان از اول تا آخر یہودیوں کی من گھڑت اور پراز بہتان روایتیں ہیں جن کے لئے اسلامیات میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

قد ذکر المفسرون ھھنا قصة اکثر ھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعة (تفسیر ابن کثیر سورہ ص)

اس جگہ مفسروں نے ایک ایسا قصہ بیان کیا ہے بلاشبہ جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے لیا گیا ہے اور اس بارے میں رسول اکرم ﷺ سے ایک حدیث بھی موجود نہیں ہے کہ جس کی پیروی ضروری ہو جائے۔

اور اپنی تاریخ البدایہ والنھایہ میں اس سے بھی زیادہ زور کے ساتھ فرماتے ہیں۔

قد ذکر کثیر من المفسرین من السلف والخلف ھھنا قصصا واخبارا اکثر ھا اسرائیلیات ومنھا ماھو مکذوب لا محالة ترکنا ایرادھا قصدا اکتفاء واقتصارا علی مجرد تلاوة القصة من القران العظیم واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

اور بہت سے اگلے اور پچھلے مفسروں نے اس مقام پر چند قصے اور حکایتیں نقل کی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر یہودیوں کی من گھڑت روایتیں ہیں اور بعض ان میں سے یقینی طور پر جھوٹی اور باطل ہیں ہم نے اس لئے ان کو قصداً بیان نہیں کیا اور قرآن عظیم نے جس قدر واقعہ بیان کیا ہے صرف اسی قدر بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ مستقیم پر چلاتا ہے۔

اور کتاب الفصل میں حافظ ابو محمد بن حزم ان آیات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وھذا قول صادق صحیح لا یدل علی شیء مما قالہ المستھزء ون الکاذبون المتعلقون بخرافات ولدھا الیھود (الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۱۴)

اور قرآن کا یہ قول سچا اور صحیح ہے اور یہ کسی طرح بھی اس روایت پر دلالت نہیں کرتا جس کو ان مسخروں، کاذبوں نے بیان کیا ہے جو ایسی خرافات سے لپٹے رہتے ہیں جن کو یہود نے ایجاد کیا ہے۔

اسی طرح نسیم الریاض میں خفاجی نے، شفاء میں قاضی عیاض نے، بحر المحیط میں ابو حیان اندلسی نے تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دیگر محققین نے ان تمام خرافات کو مردود قرار دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اس سلسلہ میں نبی معصوم سے کوئی تفصیل منقول نہیں ہے۔

آیات کی صحیح تفسیر:

پھر ان تمام خرافات سے الگ ہو کر ان محققین نے آیات کی جو تفسیریں کی ہیں وہ یا صحیح آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور یا قرآن کریم کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھ کر ذوق سلیم کے ذریعہ کی گئی ہیں۔ اس لئے یہی صحیح اور قابل توجہ ہیں۔

(۱) علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ دو شخص اچانک محراب داؤد میں داخل ہو گئے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام عبادت الٰہی میں مشغول تھے اور چونکہ ان دونوں کا معاملہ حقیقی اور واقعی تھا اور ان کو اس کے طے کرانے میں عجلت تھی اس لئے وہ دیوار پھاند کر چلے آئے، حضرت داؤد نے مدعی کا بیان سن کر تذکیر و وعظ کے پیش نظر اول زمانے کے فساد حال کا ذکر کیا اور فرمایا کہ زبردستوں پر ارباب قوت کے مظالم کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے کہ وہ ان کی زندگی کو صرف اپنی راحت کا ایک آلہ سمجھتے رہے ہیں اور یہ بہت ہی بری بات ہے۔ البتہ اللہ کے مومن بندے جو نیکوکار بھی ہیں ایسے مظالم سے بچتے اور اللہ کا خوف کرتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔

اس کے بعد حضرت داؤد نے انصاف پر مبنی فیصلہ کر کے قضیہ کو ختم کر دیا جب فریقین چلے گئے تو حضرت داؤد کے بلند احساسات نے ان کے قلب و دماغ کو ادھر متوجہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان حکومت اور بے نظیر سطوت جو ان کو بخشی ہے درحقیقت یہ ان کے لئے بہت بڑی آزمائش ہے اور امتحان ہے اس امر کا کہ ذات واحد نے اپنی اس کثیر مخلوق پر مجھ کو عزت و بلندی عطا فرمائی ہے، اس سے متعلق عائد شدہ فریضہ کو میں کہاں تک صحیح طور پر انجام دیتا اور خدا کی اس نعمت کا اپنی عملی زندگی سے کس طرح شکر ادا کرتا ہوں۔

چنانچہ حضرت داؤد پر اس وجدانی کیفیت کا اس قدر اثر پڑا کہ فوراً درگاہ الٰہی میں سربسجود ہو گئے اور طلب مغفرت کرتے ہوئے اعتراف کرنے لگے کہ خدایا اس عظیم المرتبت ذمہ داری سے سبکدوش ہونا بھی میری اپنی طاقت سے باہر ہے جب تک کہ تیری اعانت شامل حال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد کا یہ عمل پسند آیا اور اس کی مغفرت نے ان کو اپنی آغوش میں ڈھانپ لیا۔

ابن حزم اس تفسیر کے بعد فرماتے ہیں کہ "استغفار" خدا کی درگاہ میں ایسا محبوب عمل ہے کہ اس کیلئے ہرگز یہ ضروری نہیں کہ اس سے پہلے گناہ اور معصیت وجود میں آئے اور پھر اس کے رد عمل کے طور پر طلب مغفرت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ "استغفار" اللہ کے ملائکہ سے بھی ثابت ہے حالانکہ قرآن حکیم نے تصریح کی ہے کہ اللہ کے ملائکہ کی شان یہ ہے (لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون)

(التحریم ۶:۶۶) "وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔"

چنانچہ قرآن حکیم نے فرشتوں کے استغفار کا اس طرح ذکر کیا ہے:

ویستغفرون للذین امنوا ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک. (المومن ۴۰:۷)

اور وہ فرشتے استغفار کرتے ہیں مومنوں کے لئے (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو ہر شے پر اپنی رحمت اور اپنے علم سے چھایا ہوا ہے تو بخش دے ان کو جو تیری جانب رجوع ہوتے ہیں اور تیری راہ کی پیروی کرتے ہیں۔

ابن حزم کی اس تعبیر کی تائید میں ہم اس قدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کے زیر بحث واقعہ میں قرآن کریم نے ان کے عصیان اور گناہ کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ (فتناہ) کہہ کر صرف یہ بتایا ہے کہ ان کو کسی آزمائش میں ڈال دیا گیا اور آزمائش کے لئے ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی گناہ اور خطا سے ہی متعلق ہو جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ امتحان کا معاملہ پیش آیا۔ لہٰذا حضرت داؤد کا یہ معاملہ بھی کسی معصیت یا گناہ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ پیغمبرانہ شان کے مطابق احساس فرض اور خدا کے حضور میں اپنی عبودیت و بیچارگی کا بہترین مظاہرہ تھا۔ اس پر مزید بھی بہت کچھ بیان کیا جاسکتا ہے لیکن اس جگہ اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کی عمر اور وفات:

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے سو سال عمر پائی اور اسرائیلیوں میں چالیس سال حکومت کی اگر یہ روایات صحیح ہیں تو ان کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کو نبوت و رسالت پہلے عطا ہوئی اور حکومت بعد میں ملی چنانچہ تحریر ہے کہ:

"اور داؤد بن یشی نے سارے اسرائیلیوں پر سلطنت کی اور وہ عرصہ جس میں اس نے اسرائیل پر سلطنت کی چالیس برس کا تھا اس نے حبرون میں سات برس اور یروشلم میں تینتیس برس سلطنت کی اور اس نے بڑھاپے میں خوب عمر رسیدہ ہو کر اور دولت و عزت سے آسودہ ہو کر وفات پائی۔"

(تواریخ ۱ باب ۲۹:۲۶، ۲۸)

عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کا انتقال اچانک سبت کے دن ہوا وہ سبت کے دن مقررہ عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک اس حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

(فیض الباری جلد ۴ کتاب الانبیاء)

تورات کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ "داؤد اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا اور داؤد کے شہر صیہون میں دفن ہوا" (سلاطین ۱ باب ۱۱:۲)

سیدنا داؤد علیہ السلام کے اس تذکرہ سے جو درس ہم کو ملتا ہے وہ کیا ہے؟:

سیدنا داؤد علیہ السلام کی مقدس زندگی کے واقعات و حالات نے ہمارے لئے جن بصیرتوں اور عبرتوں کو پیش کیا ہے وہ اگرچہ بہت وسیع دائرہ رکھتی ہیں تاہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کر دینا مفید مطلب نظر آتا ہے تاکہ ان سے ہم بھی درس حاصل کر سکیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ جب کسی ہستی کو اولوالعزم بناتا ہے تو اس کی شخصیت کو خاص فضائل سے سرفراز کر دیتا ہے اور ان کے فطری جوہر کو شروع ہی سے چمکا دیتا ہے اور اس میں بہادری اور اولوالعزمی ہر بینا آنکھ کو نظر آنے لگتی ہے۔ غور کرو کہ داؤد علیہ السلام کو زندگی کے ابتدائی دور ہی میں جالوت جیسے جابر و قاہر بادشاہ کے مقابلہ میں لا کر ان کے ہاتھوں سے جالوت کو قتل کروا دیا جس سے آپ کی شجاعت کا سکہ اہل یہود کے دلوں میں بیٹھ گیا۔

۲۔ بسا اوقات ایک معمولی انسان کو اللہ تعالیٰ اٹھا کر آسمان رفعت پر پہنچا دینا چاہتا ہے تو اس سے ایسے کام سرزد ہونے لگتے ہیں اور وہ اس طرح انہی کاموں کے باعث آسمان رفعت کی طرف بڑھنے لگتا ہے اور اس طرح ہوتے ہوتے وہ مرغوب چیز تک پہنچ جاتا ہے یہ سنت اللہ آج بھی جاری و ساری ہے اگر کوئی بینا آنکھ رکھتا ہے تو وہ یہ دیکھ سکتا ہے جو چیز ختم ہوئی ہے وہ فقط نبوت و رسالت ہے نبی اعظم و آخر ﷺ کی نبوت و رسالت کی دعوت قیامت تک جاری و ساری رہے گی اور دعوت حق جاری ہو تو داعی حق کیوں نہیں ہوگا؟

۳۔ خلیفۃ اللہ اور طاغوتی بادشاہی کے درمیان واضح فرق موجود ہے اول الذکر میں ہر قسم کی سطوت و شوکت کے باوجود فروتنی، تواضع اور خدمت خلق نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں اور ثانی الذکر میں کبر، انانیت، جبر اور قہرمانیت کا غلبہ پایا جاتا ہے اس لئے وہ کبھی دونوں ایک طرح کے نہیں ہو سکتے۔

۴۔ قانون الٰہی ہے کہ جو ہستی عزت اور عروج پر پہنچنے کے بعد جس قدر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کے فضل و کرم کا اعتراف کرتی ہے اسی قدر اس کو بیش از بیش انعام و اکرام سے اور زیادہ نوازا جاتا ہے۔ داؤد علیہ السلام کی زندگی ہمیں یہ درس بھی دیتی ہے۔

۵۔ دین و مذہب کا تعلق اگرچہ روحانیت سے ہے تاہم مادی طاقت و قوت بھی اس کی بہت حد تک پشت پناہ ہے اس لئے دونوں کا اجتماع نور علیٰ نور ہے جس کی فضیلت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن اس سے طاغوتی طاقت و قوت قطعاً مراد نہیں۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے اور توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ ہر حال میں ہونا چاہئے اور خصوصاً دنیوی طاقت سطوت آنے کے بعد ان کی طرف زیادہ متوجہ رہنا چاہئے۔

۷۔ اسلام کبھی دنیوی ترقی حاصل کرنے کے خلاف نہیں لیکن اس سلسلہ کا ہر قدم اسلامی ہدایات کے مطابق اٹھنا ضروری ہے طاغوتی راہنمائی میں اٹھایا گیا ہر قدم سیدھی راہ سے دور ہی کرتا چلا جائے گا۔

۸۔ اسلام کی نظر میں عقل وفکر کا استعمال آزادی کے ساتھ کرنے کا حق ہر انسان کے لئے ہے اس میں بڑے اور چھوٹے کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا الا یہ کہ چھوٹے سے جب کسی ایسی بات کا اظہار ہوگا تو اس کو سراہا جانا بہت ضروری ہے تاکہ اس کی ہمت اس راہ میں مزید ترقی پذیر ہو لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں یہ بات الٹ ہو چکی ہے۔

۹۔ غیر نبی کے مقابلہ میں انبیاء کرام اور رسل عظام کا درجہ عظمت بہت زیادہ ہے اور یہ بھی کہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں ان کے متعلق کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہو جو اخلاقیات سے گری ہوئی ہو تو اس کا صاف انکار کر دینا لازم وضروری ہے بشرطیکہ اس کا مفہوم اس کے سوا اور ممکن نہ ہو، اگر مفہوم علاوہ مشہور ومعروف مفہوم کے ممکن ہو تو وہی بیان کرنا مفید مطلب ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ قومی مناصب میں سے کسی منصب پر فائز کر دے تو اس منصب سے ذاتی فوائد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے اور قومی فائدہ کو پیش نظر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے خواہ اپنا ذاتی نقصان کر کے وہ حاصل کرنا پڑے اور اس بات کو ہر حال میں یاد رکھنا چاہئے اور اس معاملہ میں اپنا تجزیہ کرتے رہنا چاہئے۔

منہاج تحقیق

(نوآموز تحقیق کاروں کے لیے)

ڈاکٹر محمد شکیل اوج

بنیادی اور ثانوی ماخذ کا فرق اور محقق کی مشکلات

بنیادی ماخذ (Primary Sources)

بنیادی ماخذ سے مراد وہ حقائق ہیں جنہیں چشم خود دیکھا یا بہ اذن خود سنا جائے۔ جس طرح مرئی (Visible) اشیاء کے لئے چشم دید شہادت بنیادی ماخذ ہے اسی طرح سنی جانے والی آوازوں کے لئے اذن شنید گواہی بھی بنیادی ماخذ ہے۔ البتہ مرئی اشیاء کی گواہی میں سماعت کو بنیادی ماخذ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شاید اسی لئے کہا جاتا ہے۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

متنی تحقیق میں کسی مطبوعہ کتاب کی اشاعت اول کے نسخے (Copies) بھی بنیادی ماخذ میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسے راقم الحروف کی کتاب "اصول تفسیر وتاریخ تفسیر" کے نسخے ۱۰۰ البتہ متعدد اشاعتوں کی صورت میں وہ نسخہ بنیادی سمجھا جائے گا، جسے مصنف نے نظر ثانی یا نظر ثالث کے بعد صحیح قرار دیا ہو۔۔۔۔۔۔۔ اور قلمی کتاب کے نسخوں میں نقد داخلی وخارجی کے بعد جو نسخہ مستند قرار پاتا ہے، اسے بنیادی ماخذ سمجھا جاتا ہے۔

جے۔ لیونرڈ بیٹس (J. Leonard Bates) کے بقول بنیادی ماخذ دو قسموں میں منقسم ہیں۔

قسم اول میں (1) ذاتی کاغذات (2) دستاویزی ریکارڈ (3) انٹرویوز (4) متفرقات شامل ہیں۔

قسم دوم میں (1) مرکزی حکومت کی مطبوعات (2) صوبائی حکومت کی مطبوعات (3) خودنوشت سوانح عمریاں اور یادداشتیں (4) مجموعہ ہائے خطوط، تقریرات (5) اور معاصر مضامین شامل ہیں۔*2

ثانوی ماخذ(Secondary Sources)

ثانوی ماخذ سے مراد وہ معلومات واطلاعات ہیں جنہیں بچشم خود نہ دیکھا جائے یا باذن خود نہ سنا جائے۔ یہ ان افراد کے فراہم کردہ ریکارڈز ہوتے ہیں جو خود شریک واقعہ نہیں ہوتے بلکہ کسی شریک واقعہ فرد کی روایات پر ریکارڈ تیار کرتے ہیں۔

مصنف، جب کسی تصنیف کا حوالہ یا اقتباس دیتا ہے تو اسے بھی ثانوی اور بالواسطہ ماخذ شمار کیا جاتا ہے۔ ہر چند وہ حوالہ یا اقتباس مصنف کے لئے بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ پیچھے حاشیہ میں ایم سلطانہ بخش کی مرتبہ کتاب کا ریفرنس مذکور ہوا۔ جب کہ راقم کے لئے ہے۔ لیوز ڈیفنس کا حوالہ ثانوی اور بالواسطہ ماخذ ہے۔

یونہی کسی کتاب کا ترجمہ، خواہ وہ کتنا ہی اہم اور ضروری کیوں نہ ہو، ثانوی ماخذ کا درجہ رکھتا ہے۔ جیسے جلال الدین سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن کا اردو ترجمہ *3 وقس علی ھذا۔

علاوہ ازیں ذرائع ابلاغ میں اخباری صحافت، ریڈیائی صحافت، اور ٹیلی ویژن صحافت کے ذریعے شائع، نشر یا ٹیلی کاسٹ ہونے والی خبریں اپنے قارئین، سامعین اور ناظرین کے لئے ثانوی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ جب کہ یہی ثانوی ماخذ، ذرائع ابلاغ میں امور متعلقہ سے وابستہ افراد کے لئے بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتے ہیں۔ گویا نوعیت بدل جانے سے ماخذ کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی بنیادی ماخذ، ثانوی میں اور ثانوی ماخذ، بنیادی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

بنیادی اور ثانوی ماخذ کے فرق کی مثال

بنیادی اور ثانوی ماخذ کے فرق کی مثال یوں دی جا سکتی ہے۔

ایم سلطانہ بخش اور محمد طفیل ہاشمی کی تحریر کردہ نصابی کتب *4 کہ جنہیں (نصابی کتب ہونے کے ناطے) ثانوی ماخذ میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی محقق ایم۔ فل اسلامیات کے ان "مطالعاتی رہنماؤں" پر کسی قسم کا کوئی کام کرے تو یقیناً یہ نصابی کتاب ثانوی کی بجائے بنیادی ماخذ کی حیثیت اختیار کر جائیں گی۔

ریکارڈز اور آثار

دستاویزی تحقیق میں کئی قسم کے ریکارڈز اور آثار (Remains) سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

وان ڈیلن (Van Dalen) کے حوالے سے وہ ریکارڈز اور آثار یہ ہیں۔

(1) سرکاری ریکارڈز ــــــــــــ مثلاً مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی دستاویزات جیسے آئین، قوانین، چارٹرز اور عدالتی روئدادیں وغیرہ۔

(2) ذاتی ریکارڈ ــــــــــــ مثلاً ڈائریاں، خودنوشت سوانح عمریاں، خطوط، وصیت نامے، جائیداد کے کاغذات، معاہدات اور بیکم کے اشارات۔

(3) زبانی روایات (Oral Traditions) ــــــــــــ مثلاً اساطیر، لوک کہانیاں، خاندانی کہانیاں، تخیلیں، تحریرات اور واقعات

(4) تصویری ریکارڈ ــــــــــــ مثلاً تصویریں، متحرک تصویریں، مائیکرو فلمیں، مصوروں کے نمونے، سکے اور مجسمے

(5) مطبوعہ مواد ــــــــــــ مثلاً اخبار، کتابچے اور رسالے۔

(6) میکانکی ریکارڈ ــــــــــــ مثلاً انٹرویوز اور اجلاس۔

(7) آثار (Remains) ــــــــــــ مثلاً آثار قدیمہ کی دستاویزات۔

(الف) مادی آثار ــــــــــــ مثلاً عمارتیں، فرنیچر، ساز وسامان، ملبوسات اور اوزار وآلات۔

(ب) مطبوعہ آثار ــــــــــــ مثلاً نصابی کتب، معاہدات، حاضری کے فارم اور اخباری اشتہارات۔

(ج) خطی اداد ــــــــــــ مثلاً مخطوطات۔ بیجز، ایسی تختیاں (اینٹیں) جن میں خط میخی میں تحریر ہوتی ہے۔ چمڑے پر لکھے ہوئے مخطوطات اور جدید دور کی ٹائپ کی ہوئی دستاویزات نیز مصوری کے نمونہ جات۔

(8) مشقی نتائج ــــــــــــ مثلاً فن کے مختلف نمونے اور یادگاریں *5

تاریخی تحقیق کے سلسلہ میں بشا اور ہارٹر (Busha and Harter) نے جن مصادر وماخذ کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں۔

(۱) سالنامے ــــــــــــ جیسے کتب خانوں یا دیگر اداروں کی سالانہ رپورٹیں۔

(۲) آرکائیوز (Archives) ــــــــــــ جیسے پبلک اور سرکاری دستاویزات۔

(۳) کیٹلاگ (Catalogue) ــــــــــــ جیسے اشیاء یا کتب کی مکمل فہرست جو عموماً وضاحتی

نوعیت کی ہوتی ہے۔

(۴) کرانیکل (Chronicale)-------حقائق و واقعات کا زمانی اعتبار سے ریکارڈ، جس کا تجزیہ و توضیح نہیں کی ہوتی۔

(۵) وثیقہ-------جیسے جائیداد کی منتقلی کا ریکارڈ۔

(۶) قصے کہانیاں (Legend)------مثلاً روایتی یا افسانوی نوعیت کے غیر معمولی واقعات۔

(۷) مخطوط (M s)--------مثلاً خطوط، تاریخ، روزنامچے، رسیدیں، ذاتی حالات، فہرستیں، اجلاس کی روئدادیں، معاہدے، مجلس کے ریکارڈز، قانونی سندات (مثلاً متعلقہ پیدائش و اموات و شادی وغیرہ)

(۸) یادداشت (Memoiry)

(۹) یادگار (Memorial)

(۱۰) اسناد حقوق و مراعات (Mumiment)------مثلاً کسی جائیداد کے استحقاق کی شہادت موجود ہو یا حقوق و مراعات کے مطالبہ کی شہادت موجود ہو۔

(۱۱) رجسٹر (Register)

(۱۲) رول (Roll)

(۱۳) شیڈول (Schedule) 6*

حصول مواد کے ذرائع:

دستاویزی تحقیق میں حصول مواد کیلئے درج ذیل ذرائع سے مدد لی جاسکتی ہے۔

(۱) حوالہ جاتی کتب (۲) کتب خانوں کی فہرست کتب (۳) رسائل و جرائد کے اشاریات (۴) کتابیات (۵) تاریخی مواد سے متعلق تبصرے (۶) تحقیقی مقالات و رسائل (۷) مقامی کتب خانوں کی دستاویزات (۸) شعبہ جاتی کتب خانے (۹) مرکزی لائبریری (۱۰) جامعاتی کتب خانے (۱۱) عوامی کتب خانے (۱۲) دانشوروں کے ذاتی کتب خانے (۱۳) عجائب گھر (لاہور) (۱۴) نیشنل میوزیم (کراچی) (۱۵) آرکائیوز (i) پنجاب آرکائیوز (لاہور) (ii) نیشنل آرکائیوز (اسلام آباد) (۱۶) پرانی کتابوں کی دکانیں (۱۷) دانشوروں سے انٹرویوز (۱۸) ذاتی فائلیں (۱۹) خط و کتابت (۲۰) یادداشتیں (۲۱) خطبات کے اشارات

(Notes)، (۲۲) عظیم قومی شخصیات کی رہائش گاہیں، جنہیں ان کی وفات کے بعد میوزیم میں بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے علامہ اقبال میوزیم (لاہور)، قائد اعظم میوزیم (کراچی) (۲۳) اخبارات وغیرہ۔

تلاش و تفحص میں تحقیق کار کو بڑے صبر آزما اور مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ مطلوبات کی جمع آوری میں تحمل، بردباری، صبر اور مستقل مزاجی کو کامیابی کی کلید گردانا جاتا ہے۔

دستاویزی تحقیق میں تنقید کا مرحلہ تحقیق کار کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تنقید خارجی اور داخلی ہر دو پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے۔

خارجی تنقید/خارجی جانچ پرکھ

(External Criticism / Appraisal)

خارجی تنقید سے مراد یہ ہے کہ جمع کردہ دستاویز کی اصلیت جانچی جائے۔ اس کے لئے مصنف، مقام تصنیف، سن تصنیف کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے۔ مثلاً کیا دستاویز کا مصنف وہی ہے جو معرض تحریر میں لایا گیا ہے یا کوئی اور؟ مقام تصنیف، جو درج کیا گیا ہے مصنف کا اس جگہ سے کس نوعیت کا تعلق ہے؟ سن تصنیف جو اس پر درج کیا گیا ہے، وہ حقیقی یا صائب ہے یا نہیں؟

الغرض تنقید خارجی کے لئے بیسیوں سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ جن کے تسلی بخش جواب کے لئے ظاہر ہے کہ تحقیق کار کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لینا پڑتا ہے۔7*

داخلی تنقید/داخلی جانچ پرکھ

(Inte rnal Criticism / Appraisal)

دستاویزی تحقیق میں خارجی تنقید کے بعد داخلی تنقید کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اس مرحلہ میں دستاویز میں مندرجہ بیانات کو خطا و صواب کے اعتبار سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر ان کی قدر و قیمت کا تعین کیا جاتا ہے۔ ہر چند کہ داخلی تنقید کا بیشتر حصہ حقی تنقید ہوتا ہے۔ تاہم اس میں مصنف کی اہلیت، دیانت، میلان خاطر، اور رجحان ذہنی بھی زیر بحث آتے ہیں۔

داخلی تنقید کے بارے میں گولڈری رائے یہ ہے۔

"داخلی جانچ پرکھ کو تعلق مصنف کی اہلیت اور دیانت سے ہوتا ہے۔ اس دائرے میں وہ بحث آتی ہے۔ جس میں دستاویز تیار ہوئی، ہم اس مصنف کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ کیا اس کا رویہ عام طور پر خلوص پر مبنی تھا یا وہ متعصب تھا؟ کیا وہ صاحب علم اور باصلاحیت تھا؟ یا وہ سچائی کو جاننے کی

پوزیشن میں تھا؟ کیا وہ صحیح صحیح، واضح انداز اور غیر جانب داری سے، رپورٹ کرنے کی صلاحیت کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اس نے کس مقصد کے لیے دستاویز کو تیار کیا؟ کسی تاریخی واقعہ کا بہترین ریکارڈ وہ ہوتا ہے، جس میں خود غرضی، جہالت، اور تعصب کا کوئی عنصر نہ پایا جائے۔[8]

خلاصہ:

خلاصتاً کہا جاسکتا ہے کہ بنیادی اور ثانوی ماخذ کی تفریق کا علم تحقیق کار کے لیے مہمیز کا کام کرتا ہے۔ عموماً وہ ثانوی ماخذ سے بنیادی ماخذ کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ اس مراجعتی سفر میں اسے بڑے صبر آزما اور کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تاہم عزم صمیم اور مستقل مزاجی اس کا دست و بازو بنتے ہیں۔ جن کے سہارے وہ داخلی اور خارجی نقد و بصر کا مرحلہ بھی خوش اسلوبی سے طے کرلیتا ہے اور نتیجتاً تحصیل حق (یعنی تحقیق) سے ہم آغوش ہوجاتا ہے۔

تحقیقی منصوبے کا خاکہ اور اس کی تیاری

تحقیق کسی بامقصد سائنس اور منضبط فکر کے عمل اور اس کی پیشکش کا دوسرا نام ہے، جو بعض مخصوص مراحل کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ وہ بعض مراحل یہ ہیں۔

(۱) انتخاب موضوع (۲) موضوع کی وسعت کا تعین (۳) مواد کی فراہمی (۴) تجزیہ مواد (۵) نتیجہ تحقیق

بعض محققین نے جو ان امور کی تعداد زیادہ بتائی ہے، وہ اس سبب سے ہے کہ مختلف ماہرین تحقیق نے ان میں سے بعض کو کئی کئی شعبوں میں تقسیم کردیا ہے یوں ان کی تعداد بڑھ گئی ہے۔

بعض نے انتخاب موضوع کو یوں عنوانات تقسیم کیا ہے۔

(۱) سرچشمہ موضوع (۲) دلچسپی اور ذوق عمل (۳) انتخاب موضوع کا معیار

یونہی وسعت موضوع کے تعینات میں متعدد مضمرات کو شامل کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اصل موضوع یا متعلقہ موضوعات کا تجزیہ

(۲) مطالعہ کی حدود اور دائرہ عمل کا تعین

(۳) موضوعات کی تفصیلات

(الف) تاریخی پس منظر قریب یا بعید

(ب) گذشتہ تحقیق اور متعلقہ مطالعہ کی تفصیل

(ج) گذشتہ مطالعہ کا تجزیہ

(د) مجوزہ طریقہ تحقیق

(ہ) ممکنہ نتائج

(۴) موضوع کی اصلیت

(۵) موجودہ طریقہ ہائے تحقیق

(۶) نئے شدہ مفروضات کا بیان

(۷) متعلقہ شعبہ کے لیے کیے گئے کام کا جائزہ

(۸) متعلقہ ذخیرہ الفاظ کی وضاحت

اسی طرح فراہمی مواد کے حوالے سے درج ذیل ضمنی عنوانات قائم کیے جاسکتے ہیں۔

(۱) مواد

(الف) انفرادی مواد۔ یہ مواد کی غیر سائنسی قسم ہے۔

(ب) معروضی مواد۔ یہ مواد کی سائنسی قسم ہے۔

(ج) علاقائی مواد۔ یہ مواد کی سائنسی قسم ہے۔

(د) صفاتی مواد۔ اس میں عمومیت ہے لیکن اس کی تلاش دشوار ہے۔

(۲) کتابیات

(۳) حصول مواد کے وسائل

مثلاً لائبریری۔ دستاویزات۔ تحقیقی مقالات۔ فہرست کتب۔ حوالہ کتب

(۴) حلقہ عمل

(۵) تحقیقی رسائل

(۶) بنیادی اور ثانوی وسائل

(۷) مواد کی درجہ بندی

موضوع کا انتخاب:

تحقیق کا مرحلہ اولین ''موضوع کا انتخاب'' ہے۔ یہ انتخاب، تحقیق کار کو خود کرنا چاہیے۔ جو اس کی اپنی صلاحیت، ذوق اور پسند کی روشنی میں ہو۔ دراصل محقق کا فطری ذوق عمل، انتخاب موضوع کیلئے بہت ضروری ہے۔ بصورت دیگر، اس کی تحقیق، خود اس کے لئے وبال جان بن سکتی ہے۔ یا غیر اہم ہن بخش

ثابت ہو سکتی ہے۔

راقم نے بعض ایسے تحقیق کار دیکھے ہیں، جنہیں تحقیق سے منسوب دیکھ کر صرف غصہ آتا ہے بلکہ ان کے نتیجہ موضوع پر رحم بھی آتا ہے۔ سچ کہا ہے ڈاکٹر رشید اختر نے۔

"جو ایک کارِ شعر موزوں نہیں پڑھ سکتا، وہ بعض شعرائے کرام کے دیوان کی تدوین میں لگ جاتا ہے اسی طرح جسے علم لسانیات سے کوئی دلچسپی نہیں وہ لسانیات کو موضوعِ تحقیق بنا لیتا ہے۔"9

تحقیق کا موضوع کے انتخاب میں خیال رکھنا چاہئے کہ اس کا دائرہ تحقیق نہ تو بہت محدود ہو اور نہ ہی وسیع، بلکہ دونوں کے بین بین ہو تاکہ تحقیق، وقتِ معینہ پر مکمل ہو سکے۔

امریکی فلاسفر (Charles Peirce) نے حصولِ علم کے چار اہم طریقے درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں۔

(۱) Method of Tenacity

(۲) Method of Authority

(۳) Method of Intution

(۴) Method of Science 10

بقول ڈاکٹر رشید اختر کے خاکہ (Synopsis) بناتے وقت مندرجہ بالا طریقہ ہائے حصولِ علم کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ خاکہ دراصل، ریسرچ ڈیزائن کی پہلی منزل ہوتا ہے، جس کی صورت آخری میں دیباچہ و مقدمہ حاصل ہے۔

دیباچہ

بعض محققوں کے نزدیک "تعارف" اس کا متبادل ہے۔ با اعتبارِ تحریر یہ مقالہ کا آخری حصہ ہوتا ہے۔ جب کہ ترتیبِ مقالہ میں اسے "پہلا باب" بنایا جاتا ہے۔ یہ باب درج ذیل مضامین پر محتوی ہوتا ہے۔

(الف) تعارف (ب) دائرہ (ج) پس منظر (د) مقصد

دیباچہ لکھتے وقت یہ امر پیشِ نظر رہے کہ وہ نہایت خوب صورت انداز میں لکھا جائے۔ کیونکہ مقالہ اگر جسم ہے تو دیباچہ اس کی روح۔ یہی دیباچہ ہی قاری کو قراتِ مقالہ پر آمادہ کرتا ہے۔

ضروری امور

ہر تحقیقی منصوبہ کا خاکہ درج ذیل ایسے امور کا متقاضی ہوتا ہے جس میں

(۱) موضوع سے متعلق مسائل کی تشریح کی گئی ہو۔

(۲) مطالعہ کی ضرورت اور مقصد کی وضاحت کی گئی ہو۔

(۳) موضوع اور مسائل کی اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہو، جس میں داخلی جذبات و احساسات کی جگہ سائنسی نقطۂ نظر کو بنیاد بنایا گیا ہو۔

(۴) سابقہ تحقیق کا (اگر کی گئی ہے) حوالہ دے کر اپنی تحقیق کو پچھلی تحقیق سے آگے کی منزل قرار دیتے ہوئے اس کی ضرورت بیان کی گئی ہو تاکہ مقصدِ تحقیق اچھی طرح واضح ہو سکے۔

(۵) تحقیق کا طریقہ کار بیان کیا گیا ہو۔

(۶) خاکہ میں ابواب کی تقسیم منطقیانہ کی گئی ہو تاکہ ربط و تسلسل کا پتہ چل سکے۔

(۷) کتابیات کو شامل کیا گیا ہو (یہ خاکہ کا اہم حصہ ہوتا ہے)

(۸) ضمیمہ بھی ذکر کیا گیا ہو۔ (البتہ اس کی ضرورت موضوع کے اعتبار سے پڑتی ہے)

(۹) اشاریہ کو جگہ دی گئی ہو۔

(۱۰) اختتامیہ کو شامل کیا گیا ہو۔ (اسمیں تحقیق کے نتائج بیان کئے جاتے ہیں)

سماجی نفسیات میں تحقیقی منصوبے کا خاکہ بایں صورت ہوگا۔

خاکہ

پہلا باب

(۱) بیانِ وضاحت

(۲) مسئلہ کی اہمیت

(۳) مطالعہ کا مواد (سابقہ ریسرچ کا حوالہ)

(۴) مسلمات

(۵) مفروضوں کا بیان

(۶) کلیدی الفاظ کی تشریح

دوسرا باب

(۱) آبادی کی تشریح

(۲) آبادی کا نمونہ

(۳) حصول معطیات کا آلہ

(۴) اس کی تشکیل

(۵) پیش آزمائش

(۶) سوالنامے کی ہیئت

(۷) معطیات کے حصول کا طریقہ کار

تیسرا باب

(۱) ترتیب و تجزیہ

(۲) مفروضوں کی پرکھ

(۳) نتائج

چوتھا باب

(۱) تحقیق کا مختصر حاصل

(۲) معطیات کی روشنی میں سوال کا جواب

(۳) سفارشات (تحصیلی و تعلیمی)

(۴) خود تجزیہ

پانچواں باب

(۱) کتابیات

(۲) محرکات و منسلکات

(۳) اشاریہ

حصول مواد کے طریقے:

ماہرین تحقیق کے نزدیک کسی تحقیقی عمل میں مواد کا حصول درج ذیل طریقوں سے ممکن ہے۔

(۱) مشاہداتی طریقہ

(۲) باہم ملاقاتی (انٹرویو کا) طریقہ

(۳) مراسلاتی طریقہ

(۴) دستاویزاتی طریقہ

(۵) سوالیاتی طریقہ 11*

مشاہداتی طریقہ (The Observation Method)

یہ طریقہ تحقیق میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس ذریعے سے حاصل کردہ معطیات صحت و استناد میں دیگر طریقہ ہائے مواد سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔

باہم ملاقاتی طریقہ (The Interview Method)

یہ طریقہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ جب مشاہداتی طریقے سے معلومات کا حصول ناممکن یا پھر بہت مشکل ہو۔ ہمارے ملک میں اکثر سرکاری سطح پر کسی مسئلہ کی تحقیق میں یہی ذریعہ اختیار کیا جاتا ہے۔ جیسے ملکی نظام تعلیم کے مسئلہ پر ارباب تعلیم سے انٹرویو کے ذریعے حقائق دریافت کیے جائیں۔

مراسلاتی طریقہ (The Correspondence Method)

اس طریقہ میں خط و کتابت کو ذریعہ معلومات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض تحقیقی موضوعات میں اس کا استعمال نہایت ضروری ہوتا ہے۔

دستاویزاتی طریقہ (The Documentary Method)

یہ طریقہ مواد، متعلقہ دستاویزات، کتب و رسائل اور سرکاری و نجی ریکارڈز وغیرہ پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اس طریقہ میں انہی چیزوں سے معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دستاویزی طریقہ تحقیق میں کئی قسم کے ریکارڈز اور آثار (Remains) سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ وان ڈیلن (Van Dalen) کے حوالے سے وہ ریکارڈز اور آثار یہ ہیں۔

(۱) سرکاری ریکارڈز (۲) ذاتی ریکارڈز (۳) زبانی روایات (۴) تصویری ریکارڈز

(۵) مطبوعہ مواد (۶) میکانگی ریکارڈز (۷) آثار مثلاً (الف) مادی آثار (ب) مطبوعہ آثار

(ج) قلمی مواد (۸) متفرقات مثلاً فن کے مختلف نمونے اور یادگاریں 12*

تاریخی تحقیق کے سلسلہ میں بشا اور ہارٹ (Busha and Harter) نے جن ذرائع کو بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) سالنامے (۲) آرکائیوز (۳) کیٹلاگ (۴) کرانیکل (۵) وثیقے (۶)

قصے کہانیاں

(۷) مخطوطے (۸) یادداشتیں (۹) یادگاریں (۱۰) اسنادِ حقوق مراعات (۱۱) رجسٹر

(۱۲) رول (۱۳) جدول 13*

سوالیاتی طریقہ (The Questionnaire Method)

یہ طریقہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ جب مشاہداتی، دستاویزاتی اور باہم ملاقاتی طریقہ ہائے کار بے بس نظر آتے ہیں۔ اس طریقہ میں سوالنامہ ترتیب دے کر متعلقہ افراد کو بھیجا جاتا ہے۔ اور جوابات حاصل کئے جاتے ہیں۔

حواشی، حوالہ جات اور اقتباسات کا طریقہ استعمال

حواشی، حوالہ جات اور اقتباسات، جدید تحقیق کے وہ لوازمات تصور کئے جاتے ہیں کہ جن کے بغیر کوئی تحقیق، تحقیق نہیں کہی جاتی۔ چنانچہ پیش نظر مضمون میں انہی سہ گونہ عناوین کے تحت بعض امور درج ذیل ہیں۔

مسلمان مفسرین و محدثین نے قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کو بااحسن طریق سمجھانے کے لئے حواشی کا سہارا لیا۔ انہی حواشی میں انہوں نے اپنے خیالات کی وضاحت نہ صرف دیگر مفسرین و محدثین کے فرمودات و خیالات سے کی بلکہ ان کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق میں حواشی کا استعمال کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں ہے۔

حواشی: (Content Footnotes)

حواشی کا واحد حاشیہ ہے۔ جس کے لغوی معنی کنارے اور ہم نشیں کے ہیں۔ اصطلاحی معنی میں یہ ان یادداشتوں کو کہا جاتا ہے جو کتاب کے حاشیہ پر لکھی جاتی ہیں۔ 14*

جدید تحقیق میں حواشی کو Content Footnotes کہا جاتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ان کا تعلق محض نشاندہی سے نہیں بلکہ مواد سے ہوتا ہے۔

ضرورت حواشی

(۱) حواشی (ذیلی اشارات) کو تحقیقی مقالہ کا جزو لازم سمجھا جاتا ہے .... عموماً متن میں مندرج مشکل الفاظ کی توضیح و تشریح کا کام حواشی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

(۲) اضافی مواد بہم پہنچانا مقصود ہو تب بھی حواشی کا سہارا لیا جاتا ہے۔

(۳) مقالہ میں دیگر مصنفین کے رشحات قلم کا تذکرہ بھی حواشی میں کیا جاتا ہے۔ چونکہ حواشی کی شمولیت مقالہ کو وقیع بناتی ہے۔ استدلال میں معاونت کرتی ہے۔ اس لئے اگر ان کا استعمال برمحل نہ ہو تو اس عملی خامی سے معیار تحقیق مشکوک، رکیک اور پایہ استناد و صحت سے گرا ہوا مانا جا سکتا ہے۔

استعمال حواشی

استعمال حواشی کے لئے دنیائے تحقیق میں عام طور پر تین طریقے رائج ہیں۔

اولاً یہ کہ ہر صفحے کے حواشی، اس صفحہ پر درج کر دیے جائیں۔ یہ حواشی کی صفحہ وار تقسیم ہے۔

ثانیاً یہ کہ ہر باب کے حواشی اختتام باب پر دے دیے جائیں۔ یہ حواشی کی باب وار تقسیم ہے۔

ثالثاً یہ کہ پورے مقالہ کے حواشی ایک ہی بار (باب اور صفحہ نمبر کے ساتھ) مقالہ کے آخر میں مجتمع کر دیے جائیں۔

راقم کے نزدیک ان میں پہلا طریقہ زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں قاری کو بار بار صفحے پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔ متن میں دیے گئے اشارے کی تفصیل وہ اسی صفحے پر دیکھ لیتا ہے اور یوں مطالعہ کا تسلسل بھی برقرار رہتا ہے۔

تحقیق کا مسلمہ اصول یہ بھی ہے کہ حصول مواد کے ذرائع کا تذکرہ کیا جائے خواہ وہ مواد جوں کا توں لیا گیا ہو یا اس کا خلاصہ کشید کیا گیا ہو، بہرحال اس کا تذکرہ ذیلی اشارات یا حواشی کی شکل میں کیا جانا ضروری ہے۔

حوالہ جات: (References or Quotations)

لغت میں حوالہ کا ایک معنی پتہ اور نشان بھی ہے۔ 15* چونکہ یہ مقالہ کے متن میں شامل افکار و خیالات کے ماخذ کا پتہ بتاتے ہیں۔ اس لئے اسے حوالہ کہتے ہیں۔

حوالہ جات کی اہمیت

تحقیقی مقالہ میں حوالوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کیوں کہ انہی سے دلیلوں کو سند ملتی ہے۔ نیز اس کے ذریعہ ہی قاری کو محقق کے ماخذ و مصادر کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے ہر محقق اپنے مقالہ میں حوالہ جاتی کتب کی فہرست ضرور دیتا ہے۔

حوالہ جاتی کتب کی فہرست عموماً دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اولاً کتب ثانیاً رسائل تاہم بوقت ضرورت "قلمی نسخے" کے زیر عنوان تیسرا حصہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ نیز ان حصوں کو لسانی اعتبار سے مزید ذیلی حصوں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

استعمال حوالہ جات

جدید تحقیق میں حوالہ جات کے ضمن میں عموماً دو طریقہ رائج ہیں۔ جن میں سے ایک ہارورڈ یونیورسٹی سے منسوب ہے، جبکہ دوسرا شکاگو یونیورسٹی سے۔ "ہارورڈ میں اپنائے گئے طریقہ کے مطابق حوالہ کا وقوع دو حصوں میں دو جگہوں پر ہوتا ہے۔ ایک حصہ متن میں ہی بریکٹ کے اندر دے دیا جاتا ہے۔ اس میں مصنف کا خاندانی نام یا نام کا آخری حصہ لکھ کر تصنیف کا سال اشاعت اور صفحہ نمبر دے دیا جاتا ہے۔"16

حوالہ کا دوسرا حصہ عموماً مقالہ یا کتاب کے بالکل آخر میں دیا جاتا ہے۔ وہاں مصنف کا پورا نام درج کیا جاتا ہے۔ اور اسمائے مصنفین میں حروف ابجد کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس طریقہ میں مختصر حوالہ متن کے اندر بریکٹ میں اور تفصیل حوالہ کتاب کے آخر میں دیا جاتا ہے۔

شکاگو میں اپنائے گئے طریقہ کے مطابق متن کے نیچے ہر صفحہ پر متعلقہ حوالہ دے دیے جاتے ہیں۔ یہ حوالہ جات صفحہ وار بھی ہو سکتے ہیں اور باب وار بھی۔ تاہم صفحہ وار حوالے، احقر کے نزدیک انسب ہیں۔ جیسا کہ اس کا سبب حواشی کے تحت مذکور ہوا۔

راقم کے نزدیک حوالہ جات کے ضمن میں یہ امر پیش نظر رکھنا بھی بہتر ہوگا کہ مقالہ میں جب پہلی بار کسی کتاب کا حوالہ دیا جائے تو وہ تفصیلی کوائف پر مشتمل ہو۔ جس میں کتاب کا نام، صفحہ نمبر، مصنف / مؤلف / مرتب / مترجم / کا مکمل نام، ناشر کا نام و پتہ اور سال تصنیف وغیرہ درج ہو۔ البتہ دوسری بار یا اس سے بھی زائد بار حوالوں میں محولہ کتاب کا حوالہ محض نام کتاب اور صفحہ نمبر کے ساتھ دیا جا سکتا ہے۔

اس طریقہ حوالہ کا ایک مفاد یہ ہے کہ درمیان کتاب یا کہیں بھی اگر کسی صفحہ پر تفصیلی حوالہ موجود ہوگا تو قاری بآسانی سمجھ لے گا کہ یہاں محولہ کتاب کا حوالہ پہلی مرتبہ Quote کیا گیا ہے۔ پھر ان سارے حوالوں کو مع تفصیلی کوائف کے اختتام کتاب پر اکٹھا کر کے الگ درج کر دیا جائے جیسا کہ عام طور پر رواج بھی ہے۔

مقاصد حوالہ جات

حوالہ جات کے بڑے بڑے مقاصد یہ ہیں۔

(۱) جب محقق کسی کتاب سے کوئی عبارت یا فقرہ نقل کرتا ہے۔ تو اس کے ماخذ کا (مع تفصیلی کوائف کے) حوالہ دیتا ہے۔

(۲) جب محقق کسی مصنف کا کوئی نظریہ یا دلیل Quote کرتا ہے تو اس کی نشاندہی کے لئے حوالہ درج کرتا ہے۔

(۳) جب محقق اعداد و شمار کے ساتھ کوئی حقیقت بیان کرتا ہے تو اسے بھی اپنے ماخذ کے ساتھ بیان کرتا ہے اور یہی ماخذ اس کا حوالہ ہوتا ہے۔

ماخذ مختلف الاقسام ہوتے ہیں تاہم سعید الدین احمد ڈار "17 نے اپنے مقالہ "18 میں ان کی جو فہرست درج کی ہے وہ یہ ہے۔

(۱) الہامی اور غیر الہامی دینی کتب

(۲) عام کتب

(۳) مختلف مصنفین کے مضامین پر مشتمل کتب

(۴) مجلات میں مضامین

(۵) اخبارات

(۶) انسائیکلو پیڈیا

(۷) لغات

(۸) مخطوطات

(۹) کاروائی ہائے اجلاس و کانفرنس

(۱۰) قانونی کتب بشمول عدالتی فیصلے، قوانین، مسودات قوانین، اسمبلیوں کے مباحث، حکومتی رپورٹیں وغیرہ۔

(۱۱) محقق کی ذاتی خط و کتابت وغیرہ

بعض محقق حوالہ جات کے ضمن میں کثرت حوالہ پر اس قدر زور دیتے نظر آتے ہیں کہ بقول سعید الدین ڈار "19 کے وہ حوالہ نہیں دیتے بلکہ حوالہ سازی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک "حوالہ سازی" سے مراد یہ ہے کہ وہ حقائق جو عام فہم یا اکثر و اشہر ہوں اور عموماً ان سے تعرض کا رویہ عوام الناس میں بھی نہ پایا جاتا ہو۔ تو ایسی چیزوں کے لئے حوالہ کو لازم کر لینا بھی حوالہ سازی ہوگا۔

اقتباسات (Extractes)

اقتباس کے لغوی معنی چھانٹنے اور چننے کے آتے ہیں۔ جب کہ اصطلاحاً یہ چنے ہوئے کلام یا نتیجہ تحریر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔*20

مقاصد اقتباسات

(۱) عام طور پر اقتباسات اس وقت استعمال کئے جاتے ہیں۔ جب کسی مصنف کا اقتباس اس کی عبارتوں اور تصورات کی پیچیدگی سے بہتر طور پر محقق کے مفروضوں اور دلیلوں کو ثابت کرسکتا ہو۔*21

(۲) جب کوئی اقتباس اتنا خوبصورت ہو کہ اس سے مقالہ کا صوری حسن بڑھ جانے کی توقع ہو۔*22

(۳) یا محقق کو دستاویزی شہادت میں مطلوب ہو۔

(۴) یا اعداد و شمار کے اختلاف کو ظاہر کرنا مقصود ہو۔

(۵) یا کہیں تناقض پایا جاتا ہو جسے نمایاں کرنے کیلئے نقل اقتباس ضروری ہو گیا ہو۔

(۶) یا محقق کو کسی مصنف کے نظریہ سے اختلاف ہو۔

استعمال اقتباسات

یہ امر پیش نگاہ رہے کہ اقتباسات بلاضرورت اور بلاجواز نہ پیش کئے جائیں۔

☆ اگر کسی غیر مطبوعہ مسودہ سے اقتباس لیا جائے تو محرر سے اس کی اجازت ضرور حاصل کرلے (اگر محرر بقید حیات ہو)

☆ اقتباس کو نہایت حزم و احتیاط اور حد درجہ صحت و استناد کے ساتھ پیش کیا جائے حتی کہ معمولی لفظی تغیر بھی نہ ہونے پائے۔

☆ اقتباس کو مصنف کی اپنی زبان میں نقل کیا جائے۔ دوسری زبان ہونے کی صورت میں ذیل میں اس کا ترجمہ درج کیا جاسکتا ہے۔

بہت زیادہ اور غیر ضروری اقتباسات سے احتراز لازم ہے۔ کیونکہ ایسا عمل اچھے مقالہ کی وقعت و ثقاہت کو مجروح کرتا ہے۔ اقتباس کا کوئی حصہ حذف کرنا مقصود ہو تو وہاں تین نقطے اس طرح ... ڈال دیے جاتے ہیں۔ یہ نقطے محذوف عبارت کی پہچان ہوتے ہیں۔

مقالہ میں کسی کتاب سے طویل اقتباسات درج کرنا اچھے مقالہ کی پہچان نہیں۔ الا یہ کہ سائنسی اور سماجی علوم کی ضروریات کے تحت ایسا کیا جائے۔ بشرطیکہ ان میں اصول، فارمولے اور نتائج اپنی اصلی شکل میں ہوں۔ اقتباس میں صاحب اقتباس کے الفاظ من وعن درج کئے جاتے ہیں۔ اگر

اقتباس چہار سطری تک ہو تو اسے متن کے ساتھ ہی لکھ دیا جاتا ہے۔ البتہ اسے نمایاں کرنے کے لئے شروع اور آخر میں الٹے کومے ڈال دیے جاتے ہیں۔ تاہم اگر اقتباس بہت زیادہ اہم ہو تو باوجود یک، دو، سہ یا چہار سطری ہونے کے اسے علیحدہ کر کے بھی لکھا جاسکتا ہے۔

اگر اقتباس کا مواد چہار سطری سے زائد ہو تو اسے اکثر متن سے الگ کر کے لکھا جاتا ہے۔ عام طور پر اقتباس کو باریک خط میں لکھنے کا رواج ہے۔ جب اقتباس متن سے علیحدہ کر کے تحریر کیا جائے تو وہاں الٹے کومے دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حواشی و حوالہ جات

۱) مطبوعہ قمر کتاب گھر، اردو بازار، کراچی، اکتوبر ۱۹۸۸ء

۲) اردو میں اصول تحقیق (جلد اول) ص ۱۹۴، مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول جون ۱۹۸۶ء

۳) مترجم محمد علیم انصاری، ناشر میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب، آرام باغ کراچی

۴) اصول تحقیق کوڈ نمبر ۱۱۷، برائے ایم فل اسلامیات، اسلام آباد میں تحقیق کے اصول و مبادی کوڈ نمبر ۱۲۷ ایم فل اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

۵) اردو میں اصول تحقیق، جلد 1 ص 165-167

۶) اردو میں اصول تحقیق، جلد 1 ص 168-170

۷) وان ڈیلن (Van Dalan) نے نقد خارجی کیلئے تحقیق میں مطلوب جن امکانی سوالات کو بیان کیا ہے وہ تعداد میں 16 ہیں، جنہیں سید جمیل احمد رضوی نے اپنے مقالہ زیر عنوان "دستاویزی طریق تحقیق" میں شامل کیا ہے۔ (بحوالہ اردو میں اصول تحقیق، جلد 1 ص 173-178)

۸) اردو میں اصول تحقیق، جلد 1 ص 179-180

نوٹ: وان ڈیلن (Van Dalan) نے نقد خارجی کی طرح داخلی کیلئے دستاویزی تحقیق میں مطلوب جن سوالات کو اٹھایا ہے وہ تعداد میں 14 ہیں، جنہیں سید جمیل احمد رضوی نے اپنے مقالہ "دستاویزی طریق تحقیق" میں انہیں بھی شامل کیا ہے۔ (بحوالہ اردو میں اصول تحقیق، جلد 1 ص 183-184)

۹) مقالہ "موضوع کا انتخاب" بحوالہ اردو میں اصول تحقیق، جلد 1 ص 139، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۰) مقالہ "موضوع کا انتخاب" بحوالہ اردو میں اصول تحقیق، جلد 1 ص 141

۱۱) نفسیاتی شماریات وتحقیقاتی طریقے، سید ساجد حسین، ص 349-340، بار ششم، کفایت اکیڈمی کراچی 1987

۱۲) مقالہ دستاویزی طریق تحقیق، سید جمیل احمد رضوی، بحوالہ اردو میں اصول تحقیق، مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، جلد 1 ص 167-165

۱۳) ایضاً ص 168 تا 170

۱۴) فیروز اللغات اردو جدید، بار ششم 1976، فیروز سنز لاہور

۱۵) فیروز اللغات اردو جدید، بار ششم 1976، فیروز سنز لاہور

۱۶) اصول تحقیق، برائے ایم فل اسلامیات کوڈ نمبر 711، ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۱۷) پروفیسر

۱۸) بعنوان "تحقیق میں حواشی، حوالہ جات اور اقتباسات، شامل کتاب "تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات، اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جون 1986

۱۹) ایضاً ص 144

۲۰) فیروز اللغات اردو جدید، بار ششم 1976، فیروز سنز لاہور

۲۱) اصول تحقیق، کوڈ نمبر 711، ص 116

۲۲) اردو میں اصول تحقیق، جلد 1، ص 260

وفیات

تمہاری نیکیاں زندہ، تمہاری خوبیاں باقی

مولانا حافظ محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر محمد شکیل اوج

کراچی کے ممتاز عالم دین، بلند پایہ خطیب، بالخصوص قرآنی مضامین کے ماہر مولانا حافظ محمود الحسن اللہ کو پیارے ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

۲۰ اگست ۲۰۰۷ء بروز پیر آپ کا انتقال ہوا اور اگلے روز جامع مسجد رحمانیہ طارق روڈ کراچی سے متصل قبرستان میں تدفین ہوئی۔ بروز منگل ایک بچے حافظ کامران قریشی کے ذریعے مرحوم کے انتقال کی خبر ملی اور ساتھ ہی پتہ چلا کہ اب سے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد یعنی بعد نماز ظہر، جامع مسجد رحمانیہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اطلاع ملتے ہی میں حافظ کامران کے ہمراہ مولانا شاہ حسین گردیزی کے ہاں پہنچا۔ وہ پہلے سے ہمارے منتظر تھے اور دارالعلوم کے باہر ہی کھڑے تھے۔ یوں ہم تینوں افراد اکٹھے جنازہ میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔ کراچی کی سڑکوں کا ان دنوں جو حال ہے اور ٹریفک رش کے باعث ٹرانسپورٹ کی جو چال ہے وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ پھر ایسے میں ہماری گاڑی کیسے بروقت پہنچ سکتی تھی؟ چنانچہ جنازہ کی نماز تو نہ مل سکی، تاہم جنازہ کے بعد کی خصوصی دعا اور تدفین میں شریک ہو سکے۔ اس موقع پر مفتی محمد رفیق الحسنی، مفتی محمد جان نعیمی، پروفیسر ڈاکٹر مولانا غلام عباس قادری اور ڈاکٹر مولانا نور احمد شاہتاز کے علاوہ متعدد علما اور مرحوم کے تلامذہ کے ساتھ عقیدت مندوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔

مرحوم اولاد نرینہ سے محروم تھے تاہم شاگردوں کی ایک معتد بہ تعداد یعنی معنوی اولاد سے مالا مال تھے اور زندگی کے آخری ایام جن میں شدید بیمار ہوئے اور جس کے تسلسل میں وہ بالآخر اللہ کو پیارے ہوئے۔ ان آخری لمحوں میں وہی ان کے آس پاس تھے بالکل اولاد کی طرح، یہ وہ حقیقت ہے جو مجھے انتقال کے اگلے روز مرحوم کی اہلیہ نے خود فون پر بتائی۔

مرحوم کو میں طویل عرصے سے جانتا تھا۔ مولانا شاہ حسین گردیزی سے پہلی مرتبہ ان کا نام سنا اور کیا عجیب اتفاق ہے کہ ان کی آخری رسومات کے موقع پر میں گردیزی صاحب سے ہی ان کا ذکر واذکار سن رہا تھا۔ حافظ صاحب کو پہلی بار کسی ٹی وی چینل پر انجانی حیثیت سے سننے اور دیکھنے کا موقع ملا۔ جب

تک اسکرین پر ان کا نام نہیں آیا۔ میں سوچتا رہا کہ اتنے خوبصورت لب و لہجے میں خالص اردو بولنے والے، وجیہہ صورت بزرگ عالم دین کون ہو سکتے ہیں کہ جنہیں سننا بھی اچھا لگ رہا تھا اور دیکھنا بھی، مگر میرا یہ استعجاب بہت جلد ختم ہو گیا کیونکہ حافظ صاحب کا نام اسکرین پر آ چکا تھا۔ یہ رمضان المبارک کے ایام تھے اور مرحوم کو ہر روز ایک سیپارہ پر کلام کرنا ہوتا تھا۔ میں کوشش کرتا کہ ہر روز ان کی گفتگو سنوں اور لذتِ قرآنی سے سرشار رہوں۔ قرآن ویسے بھی میرا پسندیدہ سبجیکٹ ہے۔ قرآنی حوالہ سے جب بھی کوئی بات کرتا ہے تو دراصل وہ میری دلچسپی کا سامان کرتا ہے۔ قرآن سے اک گونہ بلکہ خصوصی تعلق کے باعث مجھے یہ فیصلے کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ بولنے والا قرآن جانتا بھی ہے یا بس یونہی بطور فیشن کے محوِ کلام ہے۔

پھر ایک دن مولانا محمد اعظم سعیدی کا فون آیا کہ حافظ صاحب کو میں نے آپ کا فون نمبر دے دیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ پریشان مت ہونا وہ بات لمبی کرتے ہیں مگر کمال کی کرتے ہیں خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنی ہر بات پر قرآن سے استدلال کرتے ہیں اور عام سی باتوں کو بھی ہمرنگ قرآن کر دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے ازراہِ تفنن یہ بھی کہا کہ آپ بھی چونکہ قرآن قرآن کرتے رہتے ہیں اور وہ بھی یہی کرتے ہیں۔ سو میں نے سوچا کہ اب میں درمیان سے ہٹ جاؤں اور آپ دونوں کو آپس میں ٹکرا دوں۔ پھر ایک دن فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا تو پتہ چلا کہ حافظ صاحب آن لائن ہیں اور اپنے مخصوص لب و لہجے سے کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ یہ ان سے میرا پہلا مکالمہ تھا جو فون پر ہوا، اس کے بعد سلسلہ چل پڑا۔ البتہ حافظ صاحب سے بالمشافہ ملاقات کا شرف اس دن حاصل ہوا۔ جب قائد ملتِ اسلامیہ مولانا شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کا چہلم تھا۔ تفصیلِ اجمال یہ ہے کہ پروگرام کے مطابق میں پہلے مولانا اعظم سعیدی کے گھر پہنچا۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ مولانا عبدالکریم سیالوی کو ساتھ لینا ہے۔ جو راستے میں ہمارے منتظر ہیں اور مرحوم مولانا حافظ محمود الحسن کو بھی ان کے گھر سے لینا ہے۔ یوں مرحوم سے بالمشافہ پہلی ملاقات کی تقریب پیدا ہوئی اور ان کے گھر سے (واقع پی ای سی ایچ ایس) سے کلفٹن تک کا سفر ایک یادگار علمی سفر رہا، جو آج تک میرے حافظے میں ہے اور کبھی فراموش نہ ہوگا، ان کی خوشبوؤں میں بسی ہوئی باتوں کی مہک آج بھی تازہ ہے۔ اور ان کا پرنور چہرہ جسے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ خیالوں میں رہتا ہے۔ تازہ گلاب کی مانند کھلا ہوا حسین چہرہ، جو تقویٰ و طہارت اور کریم النفسی کی شبنم سے دھلا ہوا تھا سرخی و سپیدی سے ممزوج یعنی گلابی رنگت، پھر اس پر طرّہ آواز کا جادو بھرا آہنگ، مخصوص طرزِ ادا پھر اس پر مستزاد خالص قرآنی مضامین سے مالا مال گفتگو، جس کے استشہاد میں قرآن، بار بار سننے کو ملے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سج دھج کا انسان زندگی میں کم ہی دیکھنے کو ملا ہے۔

مرحوم کو میں مجلّہ التفسیر بھیجا کرتا تھا۔ وہ اسے بہت پسند کرتے تھے۔ بالخصوص میرے مضامین، خصوصی توجہ سے دیکھا کرتے تھے۔ صرف مجلّہ کے تعلق سے ہر سہ ماہی کو ان کے دو فون اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک فون مجلّے کی رسید ہوتا اور دوسرا مجلّہ پر تبصرہ۔ وہ میری تحقیقات کو بے حد سراہتے اور اس کا برملا اظہار کرتے۔ مجھے مولانا سعیدی سے بھی پتہ چلتا رہتا تھا کہ قرآن کے حوالے سے وہ مجھے بہت پسند کرتے اور اپنی دعائے خصوصی میں یاد رکھتے ہیں۔ اور مستقبل میں مجھ جیسے کم علم اور کوتاہ فہم سے بہت سی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

میں مرحوم سے جب بھی کہتا کہ آپ ہمارے مجلّے کیلئے کچھ لکھنے تو فرماتے۔ میں لکھنے کا بہت چور ہوں۔ کاش مجھے بھی آپ کی طرح لکھنا آتا تو ضرور لکھتا۔ پھر فرماتے، مضمون تو نہیں البتہ التفسیر کے تعلق سے آپ کو ایک خط ضرور لکھوں گا اور پھر حسبِ وعدہ ایک دن ان کا وہ مکتوب موصول ہو گیا۔ لفافے میں خط کے اندر تین سو روپے بھی لپٹے ہوئے تھے۔ اور خط میں ایک طرف بطور نوٹ کے لکھا تھا "ایک جرأت بلکہ جسارت کر رہا ہوں اور امید ہے کہ آپ پر بار خاطر نہ ہوگا اور محسوس نہیں فرمائیں گے"۔ میں نے اسی وقت حافظ صاحب کو فون کیا۔ پہلے تو ان کے گرامی نامے پر شکریہ پیش کیا۔ پھر تین سو روپے بھیجنے کا شکوہ کیا۔ میں نے کہا حضرت! پتہ نہیں، میں کس کس کو اپنا مجلّہ اعزازی بھیجتا ہوں۔ پھر آپ تو ہمارے بزرگوں میں ہیں۔ ہمارے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ آپ ہمارا مجلّہ پڑھتے اور اس پر تبصرہ فرماتے ہیں پھر آپ نے یہ کیا کر دیا؟ مجھے کیوں شرمندہ کر دیا؟ مگر مرحوم سے گفتگو میں بڑھ جانا بڑے بڑوں کے لئے مشکل ہوتا تھا۔ پھر میں کیسے بڑھ سکتا تھا۔ بالآخر وہ جیت گئے اور میں نے وہ نوٹ تبرک سمجھ کے رکھ لئے۔

اکثر عید اور بقر عید کے موقع پر میں اور مولانا اعظم سعیدی ان سے ملنے ان کے گھر جاتے۔ اور ان کا ہشاش بشاش چہرہ اور ان کی کشادہ بانہوں کو دیکھا کرتے تھے۔ وہ بہت ہنس مکھ، ملنسار اور مہمان نواز عالم تھے۔ ایسے علماب خال خال نظر آتے ہیں۔

میری خواہش تھی کہ وہ ایک دن میرے گھر ضرور تشریف لائیں، اور وہ خود بھی یہی چاہتے تھے مگر افسوس کہ خواہش باہم کے باوجود، وہ ایسا نہ کر سکے۔ البتہ گاہے گاہے گھر آنے کی بات ضرور کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی نہ آسکنے کا عذرِ معقول بھی سنا دیا کرتے تھے یعنی کچھ تو ضعفِ پیری اور کچھ بیماری۔ غرض دونوں پر ہی الزام دھر دیا کرتے تھے۔ پھر مرزا غالب کی روح سے معذرت کے ساتھ یہ شعر پڑھتے۔